اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر: ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۵ | محرم الحرام ۱۴۴۶ھ | جولائی ۲۰۲۴ء | شمارہ ۷

الکاف

گناہوں سے بچنے کا طریقہ (قسط اول)

از افادات

حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۵۰ روپے | زرسالانہ =/۶۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۲۰/۱۳ ربیٰ گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

وعظ

الکاف

(گناہوں سے بچنے کا طریقہ) قسط اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۶ھ بروز بدھ کو بمقام کاپی ضلع جالون میں یہ وعظ دو گھنٹے دو منٹ تک چوکی پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد مستورات کے علاوہ تقریباً دو سو تھی۔ حکیم مصطفیٰ صاحب بجنوری نے قلم بند فرمایا۔

یہ صیغہ اسم فاعل کا ہے کف بمعنی روکنے کے چونکہ یہ وعظ معاصی سے روکنے والا ہے اس طرح کہ اس میں معاصی سے رکنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے اس لیے اس کا نام الکاف رکھا ہے۔ ۱۲ ظفر۔ اس وعظ میں گناہوں سے بچنے کا طریقہ اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ گناہ نفس کے تقاضے سے ہوتا ہے اس تقاضے کو روکنے والی چیز خدا کی یاد، جنت، دوزخ کی یاد، اللہ کی نعمتوں کی یاد جب اس میں مشغول ہوگا گناہ سے بچ جائے یہ ہے طریقہ گناہوں سے بچنے کا۔ اللہ پاک تمام قارئین کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نوٹ: وعظ کی طوالت کے پیش نظر دو قسطوں میں طبع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

خلیل احمد تھانوی

۱۲ رمضان ۱۴۴۵ھ

۲۳ مارچ ۲۰۲۴ء

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
①	تمہید	۷
②	کلام الٰہی کی لفظی خوبی	۷
③	برمحل تجویز	۸
④	غفلت کا علاج	۱۰
⑤	علاج بالضد	۱۰
⑥	اثر تذکر	۱۱
⑦	لوگوں کی اقسام	۱۳
⑧	خبر سے مقصود انشاء ہوتا ہے	۱۳
⑨	تمام خرابیوں کی جڑ	۱۳
⑩	مسخ فطرت	۱۵
⑪	دنیا کی بربادی	۱۶
⑫	عقوبت آخرت	۱۷
⑬	نقد پریشانی	۱۸
⑭	گناہ بے لذت	۱۹
⑮	ایک سرحدی کی حکایت	۱۹
⑯	روح کا زخم	۲۰
⑰	اساس اتفاق	۲۱
⑱	فساد مذاق	۲۲
⑲	مقصود فیشن	۲۲
⑳	تسخیر قلوب	۲۳
㉑	حقیقت تواضع	۲۴
㉒	مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم	۲۵
㉓	معاونین کا اثر	۲۶
㉔	تعظیم صحابہ رضی اللہ عنہم	۲۷

㉕	فرسودہ تاریخ	۲۸
㉖	گناہ کا متعدی اثر	۲۹
㉗	طاعت کی لذت	۲۹
㉘	طاعت کی خاصیت	۳۰
㉙	تاثیرِ حق گوئی	۳۱
㉚	نرم گوئی کا اثر	۳۲
㉛	طرزِ تعلیم طاعت	۳۳
㉜	سختی کا موقع	۳۴
㉝	حس کی خرابی	۳۵
㉞	فقدانِ حلاوۃ	۳۷
㉟	انسدادِ جرائم	۳۸
㊱	قانون وشریعت کا فرق	۳۹
㊲	تفسیرِ آیت	۳۹
㊳	عبادت کی حقیقت	۴۰
㊴	مصائب اور معاصی میں ارتباط	۴۱
㊵	نتائجِ معاصی	۴۲
㊶	نئی تحقیق کا جواب	۴۳
㊷	ایک کی بیماری دوسرے کو نہ لگنے کے دلائل	۴۳
㊸	شعور فی الجہاد	۴۵
㊹	اسباب کی اقسام	۴۶
㊺	طاعون سے بچاؤ کا صحیح طریقہ	۴۸
㊻	اخبار الجامعہ	۵۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

إِنَّ ٱلَّذِينَ ٱتَّقَوۡاْ إِذَا مَسَّهُمۡ طَٰٓئِفٞ مِّنَ ٱلشَّيۡطَٰنِ تَذَكَّرُواْ فَإِذَا هُم مُّبۡصِرُونَ ﴿٢٠١﴾ وَإِخۡوَٰنُهُمۡ يَمُدُّونَهُمۡ فِي ٱلۡغَيِّ ثُمَّ لَا يُقۡصِرُونَ ﴿٢٠٢﴾ ①

تمہید

یہ دو آیتیں ہیں جن میں حق تعالیٰ نے ایک ایسا مضمون بیان فرمایا ہے جس کے دو جزو ہیں اور ان دونوں جزوں میں تقابل ہے ② کیونکہ ایک آیت میں متقین ③ کا ذکر ہے۔ دوسری میں اشرار ④ کا اور ایک آیت میں متقین کے ایک فعل کا ذکر ہے۔ یعنی تذکر کا اس سے اشارۃً بتلا دیا کہ اشرار کا کام غفلت ہے کیونکہ جب اشرار متقین کے مقابل ہیں تو دونوں کے کام بھی باہم متقابل ہونے چاہئیں اور تذکر کا تقابل غفلت کے سوا کچھ نہیں۔ یہ تو آیت میں معنوی تقابل ہے اور عجیب بات ہے کہ جیسا ان میں معنوی تقابل تھا ایسا ہی بیان میں تقابل بھی ہو گیا ہے۔

کلام الٰہی کی لفظی خوبی

اور اس ہو گیا کے لفظ سے جو کہ ایک جملہ ہے یہ نہ سمجھا جائے کہ اتفاقاً اور بلا قصد

---

① ''یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکا یک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور جو شیطان کے تابع ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچتے ہیں پس وہ باز نہیں آتے'' سورۃ الاعراف: ۲۰۱۔ ② ۲۰۲ ایک دوسرے کی ضد کا ذکر ہے ③ نیک لوگ ④ شرارتی لوگ۔

ایسا ہو گیا جیسا کہ بعض وقت شعراء کے کلام میں ہو جاتا ہے کہ ایک مضمون لکھا اور اس میں کوئی صنعت بلا ارادہ پیدا ہوگئی۔ یہ بات قرآن شریف میں نہیں ہوسکتی کیونکہ قرآن حق تعالیٰ کا کلام ہے اور حق تعالیٰ کے افعال سب کے سب بلا اضطرار ہیں① جو بھی صنعت اس میں ہے وہ با اختیار و بقصد ہے اتفاقی نہیں ہے اور وہ لفظی تقابل مبصرون اور یقصرون② کا ہے۔ قرآن ہے تو نثر مگر رعایتیں صنائع کی اس میں نظم کی سی ہیں۔ اس کو دوسرے لفظ میں تناسب بھی کہہ سکتے ہیں۔ یعنی تناسب کلمات اس میں نظم کا سا ہے۔ نظم میں تناسب کلمات کی رعایت خاص طور سے کی جاتی ہے کہ کلمات ایسے ملائے جائیں کہ ان میں ذرا بھی تنافی نہ ہو بلکہ ایسے مرتبط③ ہوں کہ زبان سے ادا کرنے میں بھی رکاوٹ نہ ہو اور اس کے لیے خاص خاص وزن مقرر ہیں جن کا یہی فائدہ ہے کہ کلمات کی ترکیب میں سلاست رہے اور پڑھنے میں زبان ذرا نہ رکے اسی واسطے نظم کا یاد ہونا بہ نسبت نثر کے سہل ہوتا ہے۔ یہی حالت قرآن کی ہے کہنے کو تو نثر ہے مگر تناسب کلمات ایسا رکھا گیا ہے کہ کسی نظم میں بھی نہیں ہوسکتا۔ دیکھ لیجئے کہ قرآن کی عبارت میں جو سلاست و حلاوت④ ہے وہ کسی نظم میں بھی نہیں ہے۔ علاوہ برکت اور اعجاز کے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن یاد ہونے میں نہایت سہل ہے کہ بچے تک حفظ کر لیتے ہیں اور کسی اتنی بڑی منظوم کتاب کو کبھی نہ سنا ہوگا کہ کسی نے ایسی سہولت سے حفظ کر لیا ہو اور پھر عام طور پر بلغاء کے کلام میں بھی تقابل ہوتا ہے، تناسب بھی ہوتا ہے اور تقابل جب ہی محمود ہے جبکہ تناسب بھی ہو ورنہ صرف قافیہ بندی ہوگی جو بلاغت میں دخیل تو کیا بعض وقت بلاغت میں مخل⑤ ہو جاتی ہے اور کلام کو بالکل گرا دیتی ہے۔ خیر یہ تو ایک لطیفہ تھا اور کلام الٰہی کی لفظی خوبی کا بیان تھا۔

برمحل تجویز

اصالتاً اور بالقصد⑥ بیان اس کا ہے کہ آیت میں دو ضروری مضمون بیان ہوئے ہیں اور وہ دونوں ایک مضمون کے دو جزو ہیں۔ اس لحاظ سے ان کو ایک مضمون بھی کہہ سکتے ہیں اور دو بھی کہہ سکتے ہیں اور ان کا ضروری ہونا عنقریب واضح ہو جائے گا

---

① بااختیار ② آیت میں مبصرون کے مقابلے میں یقصرون ذکر کیا گیا ہے ③ باہم مربوط ہوں ④ روانی اور مٹھاس ⑤ رکاوٹ ⑥ ارادۃً اور اصلاً

جس سے اس مضمون کو اختیار کرنے کی وجہ بھی معلوم ہو جائے گی۔ یوں تو قرآن کی ہر آیت میں مضمون ضروری ہی بیان ہوتا ہے کیونکہ قرآن میں عبث ① ایک بات بھی نہیں عبث اور لغو بات تو کسی ادنیٰ عاقل کے کلام میں بھی نہ ہونا چاہیے چہ جائیکہ اس کلام میں جس کو دلیل سے کلام الٰہی کہا جائے لیکن کسی نسخہ میں خاص حالتوں کے لحاظ سے اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً ایک طبیب نہایت حاذق اور اپنے فن کا کامل ہے تو اس کے کسی نسخہ کو بے جا یا غلط تو نہیں کہہ سکتے اور یہی کہنا پڑے گا کہ اس کے سب نسخے اچھے اور صحیح ہیں تو نفس صحت میں تو سب نسخے برابر ہیں۔ لیکن بعض نسخے اعتبارات سے اور نسخوں سے فائق ② ہو سکتے ہیں مثلاً کوئی مرض عام ہو جائے اور طبیب نے غور کر کے ایک نسخہ ایسا لکھا جس میں یہ بھی رعایت کی کہ مفید ہونے کے ساتھ سہل الحصول ③ اور کم خرچ بھی ہوتا کہ ہر کس وناکس ④ اس سے فائدہ حاصل کر سکے اور مثلاً یہ بھی رعایت رکھی کہ بدمزہ بھی نہ ہو تو ان خوبیوں کو دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ یہ نسخہ بہت ہی اچھا ہے اور ضروری ہے کیونکہ آج کل یہ بیماری زیادہ ہو رہی ہے اس کو دیکھ کر ہی برمحل تجویز کیا ہے۔ یہی حالت امور دینیہ کی ہے کہ نفس صحت اور واجب العمل اور ضروری ہونے میں تو سب برابر ہیں اور اس لحاظ سے دین کی جس بات کی تبلیغ کی جائے وہ سب برمحل اور ضروری ہے مگر بعض امور خارجی ایسے بھی منضم ⑤ ہو جاتے ہیں جو کسی ایک خاص امر کے تبلیغ و بیان کی ترجیح کو مقتضی ⑥ ہوتے ہیں اور اس مقتضی کا کوئی ضابطہ نہیں جس میں واعظ کا فہم کافی ہو صرف تفہیم باری تعالیٰ پر موقوف ہے کہ بیان کرنے والے کے دل میں احساس مسلم پیدا کر دیتے ہیں کہ اس وقت فلاں مضمون کا بیان کرنا زیادہ ضروری ہے وہی کام لینے والے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے اور مسلم ہے کہ آج کل ہر ہر حالت خراب ہے تو جس حالت کو بھی بیان کیا جائے اور اس کی اصلاح کی تدبیر بتلائی جائے عین مصلحت ہوگی لیکن وہ حالات بھی باہم ایک تفاوت رکھتے ہیں جس کی رو سے بعض کی اصلاح کو راجح اور مقدم اور بعض کو مرجوح ⑦ اور مؤخر کہہ سکتے ہیں، بنا بریں مسلمانوں کی حالتوں کے متعلق جو بحث بھی کی جائے اس کے لیے ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ عجلت نہ کی جائے بلکہ تامل ⑧ سے کام لیا جائے اور جس

① بیکار ② بڑھے ہوئے ہوتے ہیں ③ آسانی سے مل بھی جائے ④ ہر شخص ⑤ مل جاتے ہیں ⑥ تقاضہ کرتے ہیں ⑦ بعض کی اصلاح کو ترجیح دے کر پہلے بیان کرنا اور بعض کو بعد میں بیان کرنا ⑧ غور وفکر

کی ضرورت زیادہ ہو اس سے بحث کی جائے یہی صورت مناسب ہے کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ ایک جلسہ میں سب حالتوں کا اور ان کی اصلاحوں کا بیان تو نہیں ہوسکتا بعض ہی کا بیان ہوگا اس لیے مجموعی حالات میں سے اس بعض کا انتخاب کرنا پڑے گا اور انتخاب کے لیے معیار اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ زیادہ ضروری کو لیا جائے اور کم ضروری کو چھوڑ دیا جائے اور اگر اس کا عکس کیا جائے تو ظاہر ہے کہ نا مناسب ہوگا۔ دعویٰ کرنا بے جا ہے کہ میں نے اس معیار کو ملحوظ کہہ کر تمام بیانوں میں سے ایک کو اختیار کیا ہے مگر ہاں حق تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس مقام پر آنے کے بعد منجانب اللہ قلب میں آیا کہ ایسا مضمون بیان ہو جو عام ہو اور نفع اس کا تام ہو۔

غفلت کا علاج

اور عموم اس کا بلحاظ اشخاص کے بھی ہو اور بلحاظ اوقات کے بھی اس واسطے میں نے اس آیت کو اختیار کیا۔ چنانچہ عرض کرتا ہوں ''إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا'' جو لوگ متقی ہیں ان کی شان یہ ہے کہ ''إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ'' جب ان کو شیطان کا ذرا سا بھی اثر ہو جاتا ہے تو'' تذکروا'' وہ یاد کر لیتے ہیں اور ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ تذکروا کا مفعول ذکر نہیں کیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ یاد کر لینے کی چیز کو یاد کر لیتے ہیں اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اس وقت یاد سے کام لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت کا علاج یاد ہے۔ مطلقاً قطع نظر اس کے کسی خاص فرد سے اور اس کے افراد وغیرہ کی تعیین مستقل مسئلہ ہے اگر کسی فرد کو یہاں ذکر کر دیتے تو وہی متعین ہو جاتا باقی افراد کی نفی ہو جاتی مگر کسی فرد کی تعیین نہیں کی گئی اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کسی فرد کا بھی ذکر ہوتا تو بے محل ہوتا کیونکہ محض فائدہ یہاں صرف ضرورت تذکر [1] ہے نہ کہ تعین افراد کی۔

علاج بالضد

اس کی کسی قدر تفصیل یہ ہے کہ سب جانتے ہیں کہ علاج بالضد [2] ہوتا ہے مثلاً حرارت کا علاج برودت [3] سے اور برودت کا حرارت سے ہوتا ہے۔ یہاں دیکھنا چاہیے کہ شیطان کے اثر سے کیا مرض پیدا ہوا جو مرض پیدا ہوا ہو اس کی ضد کا پیدا کرنا

① یاد دہانی کرنا ② کسی شئی کا علاج اس کی ضد سے ہوتا ہے ③ گرمی کا علاج سردی سے اور سردی کا گرمی سے ہوتا ہے۔

علاج ہوگا۔ سو شیطان کے اثر سے بہت سے امراض پیدا ہوتے ہیں مگر ان سب امراض کی جڑ غفلت ہے۔ یعنی شیطان کے اثر سے اولاً غفلت ہی پیدا ہوتی ہے مگر آیت میں اس کا بیان صراحۃً نہیں ہے اور اس کی وجہ دو ہیں ایک تو یہ کہ یہ بہت ظاہر ہے دوسرا یہ کہ تذکروا کے لفظ سے اس کا پتہ چل جاوے گا کیونکہ ایک مقابل سے دوسرے مقابل پر تنبیہ ہو جاتی ہے اور خود بخود دوسرے کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے جیسے اندھے کا ذکر سن کر سوانکھے ① کی طرف خود ذہن چلا جاتا ہے۔ اسی طرح تذکر ② سے غفلت خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے تو چنداں ③ حاجت اس کے بیان کی نہ رہی اور کلام کی بلاغت اسی میں ہے کہ زائد از کار بات بالکل نہ ہو ④۔ پس آیت میں مقابلہ ہے غفلت اور یاد کا۔ باقی اس سے بحث نہیں کہ کس کی یاد۔ یہ ایسا ہے جیسے اگر بھوکے کو علاج بتاویں تو کہیں گے کچھ کھاؤ اور اس وقت یہ کہنا بے موقع ہوگا کہ پلاؤ یا قورمہ یا فیرنی کھاؤ اس وقت اجمال میں جو بلاغت ہوگی تفصیل میں ہرگز نہ ہوگی بلکہ جتنی تفصیل بڑھتی جاوے گی کلام بلاغت سے گرتا جاوے گا۔ مثلاً کوئی بھوکے سے یوں کہنے لگے کہ علاج تمہارا یہ ہے کہ گوشت کو لے کر پانی سے دھو کر یخنی پکاؤ اور اس میں سونف دھنیا، گرم مصالحہ اتنا اتنا ڈالو اور اتنی دیر تک پکاؤ پھر ہاتھ تین دفعہ دھوؤ اور دسترخوان بچھا کر بیٹھو اور اس پلاؤ کو کھاؤ۔ تو ظاہر ہے کہ اس طویل تقریر کو کوئی بھی نظر استحسان ⑤ سے نہ دیکھے گا۔ اس وقت بلیغ جواب یہی ہے کہ بھوک کا علاج یہ ہے کہ کچھ کھاؤ اور یہ مستقل بات ہے کہ کیا کھاؤ اس کے لیے مستقل علم موجود ہے یعنی علم طب۔ غرض آیت پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ تذکروا کے مفعول کی تعیین نہیں کی۔ جواب یہی ہے کہ مقصود کی اہمیت کی وجہ سے اس کا ذکر نہیں کیا اور یہاں مقصود نفس تذکر ہے دوسرے تذکر کی اہمیت جتلانا بھی مقصود ہے۔ یہ نکتہ ہوا تذکروا کے مفعول کے حذف ہونے کا۔

اثرِ تذکر

آگے اثر تذکر کا بیان فرماتے ہیں: فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ⑥ اذا کلمہ مفاجات ⑦ ہے جو

① آنکھوں والے ② یاد دھانی سے ③ کوئی ضرورت نہ رہی ④ ضرورت سے زائد کلام نہ کرے ⑤ اچھی نظر ⑥ ''پس یکا یک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں'' سورۂ اعراف: ۲۰۱ ⑦ اچانک کے معنی میں مستعمل ہے۔

دلالت کرتا ہے تعجیل ترتب اثر پر۔ معنی یہ ہوئے کہ تذکر سے فوراً ہی وہ صاحب بصیرت ہو جاتے ہیں اور وہ بصیرت اثر مس شیطان کو روک دیتی ہے۔ آگے فرماتے ہیں: وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ① اس میں متقین کے مقابلہ میں دوسرے لوگوں کا ذکر ہے۔ یعنی اشرار ② کا ان کا کام یہ ہے کہ جیسے خود گمراہ ہیں دوسروں کو بھی اپنی ہی طرف کھینچتے ہیں۔ ان کو حق تعالیٰ نے اخوانھم ③ سے تعبیر فرمایا۔ اس کا ترجمہ قوم یا برادری سے کیا جاوے تو بہت مناسب ہے بلکہ آج کل کے مناسب اس کے ترجمہ کے لیے ایک لفظ بہت ہی با محاورہ ہے جو بہت زبان زد ہے وہ لفظ برادران وطن ہے۔ یہ لفظ مخالفین کے واسطے استعمال کیا جاتا ہے اور آیت میں بھی مراد مخالفین ہی ہیں لفظی تہذیب بھی عجب چیز ہے اس سے مخالفت کم ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ تکلف سے نہ ہو۔ جیسے آج کل بعض وقت کہتے ہیں ہمارے معزز دوست (یعنی دشمن) اور اگر ایسے الفاظ تکلف اور تصنع سے استعمال کیے جاویں تو بجائے اس کے کہ مخالفت کم ہو اور زیادہ ہو جاتی ہے اور مخالف کو اور زیادہ غیظ ④ ہو جاتا ہے کیونکہ سمجھتا ہے کہ ہم کو بناتے ہیں۔ اصل غرض ایسے الفاظ سے مخالفت کا گھٹانا ہوتا ہے اس کو ملحوظ رکھنا چاہیے وہ کہیں ان کے استعمال سے حاصل ہوتی ہے اور کہیں ان کے ترک سے حاصل ہوتی ہے اسی واسطے قرآن شریف میں ان الفاظ کا ہر جگہ التزام نہیں کیا گیا اور تہذیب حقیقی یہی ہے نہ یہ کہ صورت تہذیب اور الفاظ کے ایسے پیچھے پڑیں کہ حقیقت اور اصل غرض سے بھی بحث نہ رہے۔ جیسے آج کل تہذیب کا غلبہ ہے کہ کیا افعال کیا اقوال سب میں بناوٹ دکھاوا ہی رہ گیا ہے۔ منہ پر قبلہ و کعبہ کے سوابات نہ کریں اور پیچھے گالیاں دیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ آج کل زبان کو اس قدر پاک کیا ہے کہ دہلتے دہلتے پھٹ گئی اور دھجیاں اڑ گئیں۔ شریعت نے ہم کو تہذیب سکھائی ہے مگر تلبیس اور پالیسی نہیں سکھلائی جیسے آج کل کے مہذبین میں ہے کہ کوئی شخص شریعت کے مطابق نہیں اور چال سے خالی نہیں۔ غرض حق تعالیٰ نے مخالفین کو اخوانھم ⑤ سے تعبیر فرمایا۔ گو حق تعالیٰ کو ضرورت اس قسم کے الفاظ کی نہ تھی۔ مگر تعلیماً ان کو اختیار کیا تا کہ مسلمان طریقہ گفتگو معلوم کرلیں۔ فرماتے ہیں: ”وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ“

① ”اور جو ان شیاطین کے بھائی ہیں، شیاطین ان کو گمراہی میں گھسیٹے لے جاتے ہیں“ الاعراف: ۲۰۲
② برے لوگوں کا ③ ان کے بھائی کہا ہے ④ غصہ آتا ہے ⑤ ان کے بھائی کہہ کر تعبیر کیا۔

یعنی دوسرے لوگ ان کو کھینچتے ہیں تانتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح گمراہی کی طرف لانا چاہتے ہیں۔"ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ "پھر وہ اپنے اس کام میں کوتاہی نہیں کرتے یعنی برابر کوشش جاری رکھتے ہیں۔

لوگوں کی اقسام

دونوں جملوں کا حاصل اور خلاصہ مضمون یہ ہوا کہ دو قسم کے لوگ ہیں۔ایک وہ جو اس میں کوشاں ہیں کہ گناہ سے بچیں اور گناہ کو ترک کریں اور ہوشیار رہتے ہیں کہ ذرا بھی ان کے پاس شیطان آجاتا ہے تو چونک جاتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں کہ گناہ میں پھنستے ہیں اور دوسروں کو بھی پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں۔

خبر سے مقصود انشاء ہوتا ہے

اور یہ آپ لوگوں کو معلوم ہوگا کہ قرآن شریف میں جو باتیں بطور اخبار بھی بیان کی جاتی ہیں ان سے صرف نقل اور حکایت مقصود نہیں ہوتی بلکہ مقصود انشاء ہوتی ہے کیونکہ قرآن تاریخی کتاب نہیں ہے بلکہ روحانی مطب ہے اور طب کی کتاب میں حکایات سے بھی علاج ہی مقصود ہوا کرتا ہے۔پس قرآن کے تمام قصص اور جمل خبریہ حقیقت میں اوامر ① واحکام وانشاءات ہیں۔علاوہ ازیں یہ کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ میں اصل جملہ انشائیہ ② ہی ہے وہی مقصود ہوتا ہے جملہ خبریہ خود مقصود نہیں ہوتا اور جس خبریہ سے محض خبر مقصود ہو اور کسی معنی انشائی پر دلالت نہ ہو وہ عقلاء کے نزدیک مہمل ③ ہے۔

تمام خرابیوں کی جڑ

پس یہاں ان دونوں قسموں کے بیان کرنے سے صرف ایک واقعی بات کی خبر دینا مقصود نہیں ہوسکتی کہ معلوم کرلو کہ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں کیونکہ یہ تو فعل زائد ہے جو کسی ادنی عاقل سے بھی بعید ہے ④۔ چہ جائیکہ خدا تعالیٰ کے کلام میں ایسا ہو بلکہ مقصود انشاء ہے یعنی امر کرنا اس بات کا کہ تم اول گروہ کے موافق بنو اور دوسرے کے موافق نہ

① قرآن کریم میں مذکور جملہ خبریہ سے کسی نہ کسی بات کا حکم دینا مقصود ہوتا ہے ② جس جملہ میں کسی کام کا حکم دیا جائے ③ فضول ④ معمولی عقل والا بھی یہ کام نہیں کرسکتا۔

بنو اور گناہ کے ترک کی ترکیب بتانا اور گناہوں میں مبتلا ہونے کے سبب پر مطلع کرنا منظور ہے کہ اس طرح گناہ سے بچ سکتے ہیں اور فلاں طریق اختیار کرنے سے گناہ میں پڑ جاتے ہیں۔ سو متقین کی حالت تو یہ بیان کی کہ جب ان کو ذرا سا بھی اثر شیطانی محسوس ہوتا ہے تو وہ تذکر ① اختیار کرتے ہیں اور میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ تذکر مقابل غفلت کا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ اثر شیطانی غفلت ہے۔ بس یہ ہی اصل الاصول تمام خرابیوں کا اور یہی ہے ذریعہ گناہ میں پڑنے کا اور اس کا ترک کرنا علاج ہے تمام امراض کا اور یہی مقصود ہے اس وقت کے بیان سے اور یہی خلاصہ ہے آیت کا۔ غالبا اب اس مضمون کی اہمیت اور ضرورت اچھی طرح معلوم ہوگئی ہوگی کیونکہ گناہوں سے بچنے کی ہر شخص کو ضرورت ہے کون شخص ایسا ہے جس کو گناہوں سے بچنے کی ضرورت نہ ہو کیونکہ ہم سب اس مرض میں مبتلا ہیں اور مرض کا علاج سبب کے ازالہ سے ہوتا ہے اور گناہوں کا سبب غفلت ہے پس اس کے ازالہ کی ضرورت کا عام ہونا ظاہر ہے۔ غور کر کے دیکھ لیجئے کہ ہم میں صرف یہی تباہی ہے جس کا نام غفلت ہے۔ اسی سے ہماری دنیا بھی برباد ہے اور اسی سے دین بھی برباد ہے۔ اس نے ہمارے مذاقوں کو ایسا مسخ کیا ② ہے کہ صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح سمجھنے لگے۔ دیکھئے معاصی اور جرائم کیسی بری چیز ہیں اور انسانی فطرت کے بھی خلاف ہیں مگر غفلت ایسی چیز ہے کہ یہ ان کو بھی لذیذ بنا دیتی ہے۔ غفلت ہی سے معاصی پر اقدام ہوتا ہے پھر شدہ شدہ ③ قلب سے گناہوں کی نفرت زائل ہو جاتی ہے کیونکہ معاصی ④ میں خاصیت ہے قلب کو مسخ ⑤ کر دینے کی جیسے سنکھیا ⑥ میں خاصیت ہے قتل نفس کی اور یہ کیفیت مسخ رفتہ رفتہ ایسی بڑھ جاتی ہے کہ بالکل قلب پر چھا جاتی ہے اور حواس کو الٹا کر دیتی ہے۔ معاصی کرنے والے غور کریں کہ اول مثلاً جب رشوت لی تھی تو کسی قدر خجلت ⑦ اور شرم تھی کہ رقم ٹھہرانا اور منہ سے مانگنا تو درکنار آنکھ بھی نہ اٹھتی تھی اور لینے کے لیے ہاتھ آگے نہ بڑھتا تھا، اول بار تو یہ حالت تھی۔ دوسری بار میں ذرا جھجک کم ہوئی۔ تیسری بار میں ہاتھ بھی پھیلنے لگا، پھر تو منہ سے بھی مانگنے لگے اور رشوت لیتے لیتے پھر تو یہ نوبت ہوگئی کہ تقاضا کرتے ہیں اور دھمکاتے ہیں

---

① اللہ کی یاد میں مشغول ہو جاتے ہیں ② بگاڑ دیا ③ آہستہ آہستہ دل سے ④ گناہوں میں ⑤ دل کو خراب کرنے کی ⑥ زہر ⑦ شرمندگی۔

کہ مقدمہ کا ناس کردوں گا اور کپڑے اتارلوں گا یہ بے باکی کاہے سے پیدا ہوئی اسی غفلت کے بڑھنے سے ورنہ اول دن جب غفلت نہ بڑھی تھی رشوت لیتے وقت کیسی خجلت پیدا ہوئی تھی۔

مسخ فطرت

بخلاف نیک کام کے کہ اس سے کسی دن خجلت اور ندامت نہیں ہوتی اور کسی کو نہ دیکھا ہوگا کہ اس نے نماز شروع کی ہو اور اول دن شرم کے مارے عرق ① عرق ہو گیا ہو۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ فعل قبیح ② درحقیقت فطرت انسانی کے خلاف ہی ہے اور جب تک سلامت فطرت باقی رہتی ہے ضرور اس سے طبیعت رکتی ہے ہاں جب یہ سلامتی مسخ ہو جاتی ہے تو افعال بھی برعکس ہونے لگتے ہیں۔ بخلاف فعل مشروع ③ کے جس کو طاعت کہتے ہیں وہ فطرت انسانی کے عین موافق ہے اس کو کر کے کبھی انقباض ④ نہیں ہوتا بلکہ بشاشت ⑤ ہوتی ہے۔ بعض لوگ اس کی وجہ میں کہ رشوت اول بار لیتے وقت رکاوٹ تھی یہ کہا کرتے ہیں کہ چونکہ عادت کے خلاف ایک نیا کام تھا اس واسطے رکاوٹ تھی۔ یہ غلط ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اول بار نماز پڑھتے وقت بھی خجلت اور شرم ہوتی کیونکہ وہ بھی عادت کے خلاف نیا کام تھا حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ وجہ وہی مخالفت فطرت سلیمہ ⑥ ہے جو حق تعالیٰ نے انسان کو خلقت عطا فرمائی ہے نہ کہ ترک عادت۔ اگر کوئی کہے کہ اول بار نماز پڑھتے وقت بھی تو ہم دیکھتے ہیں کہ پڑھنے والا افعال نماز کو رک رک کر کرتا ہے اور شرمایا شرمایا سا ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ ترک عادت ہی سبب ہے اس خجلت کا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ غور کر کے دیکھئے! نماز پڑھنے والا نماز سے نہیں شرماتا بلکہ اپنی ناواقفیت سے شرماتا ہے۔ یہ خیال ہوتا ہے کہ دیکھنے والے ہنسیں گے کہ کیسا ناواقف ہے تو اس وقت جو کچھ خجلت سی معلوم ہوتی ہے وہ ناواقف ہونے سے ہے نہ کہ نماز سے اور نماز سے ناواقف ہونا بھی خود خلاف فطرت سلیمہ ہے یہ خجلت بھی اسی لیے ہوئی کہ یہ شخص نماز کے ساتھ ایک دوسرے فعل مذموم سے بھی متصف ہے۔ صرف نماز سے متصف ہوتا اور ناواقفیت سے موصوف نہ ہوتا تو خجلت کبھی نہ ہوتی اور یہ بہت ہی ظاہر بات ہے اس میں طول کی ضرورت نہیں غرض طاعت سے کبھی پیشیمانی

① پسینہ پسینہ ② برا فعل ③ وہ فعل جس کا شریعت نے حکم دیا ہو ④ دل نہیں گھبراتا ⑤ خوشی ⑥ اچھی فطرت کی مخالفت کی وجہ سے۔

نہیں ہوتی، نماز پڑھ کر کسی کا دل برا نہیں ہوتا، نفس پر مشقت ہونے سے تکان اور کم ہمتی ہو جانا اور بات ہے۔ کوئی مکان بناتا ہے اور خوشی خوشی تعمیر کراتا ہے مگر اس میں بھی تھک کر کچھ دیر کو پڑا رہتا ہے حتیٰ کہ کبھی زبان سے بھی کہتا ہے کہ کیا بکھیڑا مول لیا اور کیا بلا پیچھے لگ گئی مگر یہ پشیمانی نہیں ہے بلکہ تکان اور تعب ہے۔ یہی حال نماز کا ہے کہ کبھی نفس درماندہ ① ہو کر منقبض ② ہو جاتا ہے مگر اس کو پشیمانی اور دل برا ہونا نہیں کہہ سکتے۔

دنیا کی بربادی

سو اس کی وجہ یہی ہے کہ خود فعل میں ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ برے فعل میں برا اثر اور اچھے فعل میں اچھا اثر۔ باقی غفلت سے احساس کا برعکس ہو جانا امر دیگر ہے اور غفلت کے اسی اثر کے سبب میں نے ابھی کہا تھا کہ غفلت سے ہماری دنیا بھی برباد ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ غفلت موجب ہے معاصی ③ کی اور معاصی سے دنیا بھی برباد ہوتی ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ دنیا میں جو چیزیں بھی مطلوب ہیں اور ان کے حصول کو کامیابی کہا جاتا ہے ان سب کی اصل اور لب لباب ④ راحت ہے۔ مثلاً تمول دنیا ⑤ کا بڑا مقصود سمجھا جاتا ہے اور جو کوئی مالدار ہو گیا تو کہا جاتا ہے کہ بڑا خوش نصیب اور کامیاب ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ تمول خود مقصود بالذات ہے یا مقصود بالذات کچھ اور ہے اور یہ اس کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے مقصود سمجھا جاتا ہے۔ سو حقیقت حال یہی ہے کہ امر واقعی شق ثانی ہے یعنی تمول۔ اس واسطے مطلوب ہے کہ وہ ذریعہ ہے مطلوب اصلی کا اور مطلوب اور چیز ہے اور وہ راحت ہے چونکہ تمول عادتاً ذریعہ ہے ہر قسم کی راحت و آسائش کا، اس واسطے اسی کو مطلوب سمجھا جاتا ہے۔ اس کی بہت موٹی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی موقع پر تمول اس غایت سے خالی ہو جاوے تو پھر وہ مطلوب نہیں رہتا، مثال کے لیے عرض کرتا ہوں کہ ایک شخص سے کہا جائے کہ ایک لاکھ روپیہ ہم تجھ کو دیتے ہیں اس شرط سے کہ چھ مہینے کے بعد تجھ کو پھانسی دیں گے یا تیری سب اولاد کو مار ڈالیں گے تو تمول تو یہاں متوقع ہے مگر چونکہ ذریعہ راحت نہیں ہے اس واسطے کوئی بھی

① تھک کر ② تنگ ہوتا ہے ③ گناہوں میں مبتلا ہونے کا سبب ہے ④ اصل الاصول ⑤ مال و اسباب کی کثرت کو۔

اسے منظور نہ کرے گا الا آنکہ کسی کی حِس ہی باطل ہو① اور عقل ہی سے خارج ہو۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ تمول مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصد بالغیر ہے اور وہ غیر راحت ہے تو جو چیز اس میں مخل ہو② وہ دنیا کی کامیابی میں مخل ہے اور جو چیز اس کا ذریعہ ہو وہ کامیابی کا ذریعہ ہے۔ اب دعویٰ کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ گناہ سے تشویش ضرور ہوتی ہے اور تشویش راحت کی ضد ہے تو گناہ دنیا کی کامیابی میں مخل ہوا نہ کہ ذریعہ کامیابی یہ اور بات ہے کہ گناہ کرتے کرتے عادت ایسی ہوگئی کہ اس کے اثر کا احساس نہیں رہا جیسے سنکھیا اور افیون کی عادت ہوجاتی ہے مگر جس طرح سنکھیا اور افیون کی عادت ایک دن رنگ لاتی ہے اور اخیر عمر میں وبال جان ہوجاتی ہے۔

عقوبت آخرت③

اسی طرح جو لوگ معاصی کے عادی ہیں ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں تو عادت ہوجانے سے گو ان کو بے پروائی بھی ہوگئی ہے اور معصیت سے جو تشویش ہوتی ہے اس کا احساس نہیں رہا مگر معصیت کا جو نتیجہ آخرت میں ہونے والا ہے اس کی حالت ایسی نہیں ہے جس کی عادت یا بے پروائی ہوسکے۔ عقوبت آخرت کی برداشت کسی طرح بھی نہیں ہوسکتی یہ نہیں ہوسکتا کہ چند روز عذاب ہونے سے اس کی عادت ہوجاوے اور برداشت ہونے لگے کیونکہ یہ بات دیکھنے کی ہے کہ تکلیف کے تکرار سے جو الم کا احساس④ جاتا رہتا ہے یا کم ہوجاتا ہے تو اس کا سبب کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے طبیعت انسانی میں یہ خاصیت رکھ دی ہے کہ کسی شے کے تکرار استعمال سے وہ اس چیز سے ساز کرلیتی⑤ ہے اس سے اس منافی کی منافات کم ہوجاتی ہیں اور الم کم⑥ ہوجاتا ہے۔ مختصر یہ کہ تکرار میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھ دی ہے کہ اس سے کلفت کی برداشت ہونے لگتی ہے مگر آخرت میں حق تعالیٰ یہ خاصیت اٹھالیں گے کیونکہ ان کو عذاب دینا منظور ہے کیونکہ وہ دارالجزاء ہے وہاں وہ خاصیت باقی نہ رہے گی جو یہاں ہے کیونکہ دنیا دارالجزاء نہیں وہاں عذاب میں تخفیف کبھی منظور ہی نہیں

① حس ہی مرگئی ہو ② خلل انداز ہو ③ آخرت کا عذاب ④ تکلیف کا احساس ⑤ موافقت ⑥ تکلیف۔

بلکہ دم بدم شدت منظور ہے۔ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ ① نص موجود ہے۔ دوسرے اگر اس خاصیت کو باقی بھی مان لیا جاوے پھر اس پر کہا جاوے کہ تکرار عذاب سے برداشت کیوں نہ ہوگی؟ تو پھر جواب یہ ہے کہ کسی شے کی عادت اس وقت ہوتی ہے جبکہ مؤثر بھی اپنی حالت پر رہے۔ محل الم ② بھی اپنی حالت پر رہے اور آخرت میں نہ محل ایک رہے گا نہ مؤثر۔ چنانچہ تبدل محل کے متعلق ارشاد ہے: كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنٰهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ، یعنی دم بدم ان کی مردہ کھالیں بدل دی جائیں گی اور نئی پیدا ہوں گی اور علت اس کی بھی یہی فرمائی کہ ان کو عذاب دینا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کو عذاب ہی دینا ہے تو پھر کیا کسر رہ سکتی ہے (نعوذ باللہ منہ) یہ تو محل کی حالت ہے کہ بدلتا جاوے گا۔ لہٰذا اصول طبعی کی بنا پر بھی عادت اور برداشت نہیں ہو سکتی اور ہر مؤثر کی یہ حالت کہ اس کا حال بھی یکساں نہیں۔ اس میں دم بدم قوت بڑھتی جاوے گی۔ ''زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ ''(ان پر عذاب کے اوپر مزید عذاب ہوگا) غرض عقوبت آخرت میں تحمل کا خیال غلط ہے یہاں تحمل بے حسی سے ہو جاتا ہے وہاں حس باطل نہ ہوگا اور یہ حق تعالیٰ کی قدرت ہے جہاں چاہا حس کو باطل کر دیا اور جہاں چاہا باطل نہ کیا۔ غرض معاصی سے پریشانی ضرور ہوتی ہے گو عادت کی وجہ سے دنیا میں اس کا احساس نہ ہوتا ہو۔

نقد پریشانی

مگر دنیا میں بھی یہ بے حسی اس وقت تک رہتی ہے جب تک کھانے کو مل رہا ہے اور کوئی مصیبت سر پر نہیں پڑی اور جس دن کوئی مصیبت ان پر واقع ہوتی ہے اس وقت احساس ہوتا ہے کہ واقعی ہمارے قلب میں جو وہ قوت اور وہ طمانیت وسکون نہیں ہے جو مصائب کے وقت اہل اللہ کے قلب میں ہوتا ہے اس کا سبب صرف معاصی ہیں۔ غرض اہل اللہ کی حالت دیکھ کر ان کو اپنی اور ان کی حالت میں زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے اور ان کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اہل اللہ سے زیادہ راحت میں کوئی نہیں اور اہل معاصی سے زیادہ پریشانی میں کوئی نہیں۔ پس جب معاصی ③ سے پریشانی نقد حاصل ہوگئی تو صرف اسباب بلا راحت سے کیا نتیجہ ہوا اور دنیا بھی ان کو کیا حاصل ہوئی کیونکہ دنیا کے

① ''ان پر عذاب کے اوپر مزید عذاب ہوگا'' سورۃ النحل: ۸۸ ② تکلیف کا محل ③ گناہگاروں۔

حصول کا خلاصہ تو حصول راحت ہی تھا اور وہ میسر نہیں بلکہ اس کی ضد یعنی پریشانی موجود ہے۔

بے لذت گناہ

میں بہ قسم کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان کے لیے تو گناہ ہمیشہ بے لذت ہی ہوتا ہے بلکہ بے لذت سے بڑھ کر بدلذت اور یہ بات بہت ہی ظاہر ہے مگر اس سے نظر قاصر ① اس وجہ سے ہو رہی ہے کہ لوگوں نے لذت جسم ہی کو لذت سمجھ لیا ہے اور یہ نہیں دیکھا کہ لذت در حقیقت کس کو حاصل ہوتی ہے جسم کو یا روح کو جسم اور روح میں نسبت عینک اور آنکھ کی سی ہے دکھائی تو بیشک عینک ہی سے دیتا ہے مگر دیکھنے والی عینک نہیں ہے بلکہ آنکھ ہے بلکہ ترقی کر کے کہہ سکتے ہیں کہ آنکھ بھی دیکھنے والی نہیں ہے آنکھ آلہ ہے ادراکار اور مدرک نفس ناطقہ ہے ② درحقیقت صحیح یہی ہے کہ دیکھنے والا نفس ناطقہ ہے اور آنکھ اور عینک دونوں آلات ہیں تو عینک کی طرف اگر دیکھنے کی نسبت کی جاوے گی بلکہ آنکھ کی طرف بھی اگر لی جائے گی تو مجازاً ہی صحیح ہوسکتی ہے حقیقتاً صحیح نہیں۔ اسی طرح ادراک لذت یا ادراک الم کی نسبت جسم کی طرف ہمیشہ محالا ہوگی جو کہ نا قابل اعتبار ہے اور درحقیقت الم ③ اور لذت جو کچھ ہے وہ روح کو ہے مگر ایک زمانہ ہے جو اس غلطی میں مبتلا ہے کہ محض راحت جسم کا نام راحت رکھ لیا ہے گو روح کیسی ہی مردہ ہو رہی ہو حالانکہ اگر جسم کو لذت ہوئی اور روح کو نہ ہوئی تو وہ کیا خاک لذت ہے وہ لذت تو ایسی ہوگی جیسے زیادہ مرچ دار سالن کہ زبان کو تو مزہ آتا ہے مگر دل کو تکلیف پہنچتی ہے کہ گرمی بڑھ جاتی ہے اور خفقان ④ ہوگا اور طبیبوں کی ناز برداری کرنی پڑے گی اور وہ لذت ایسی ہے کہ جیسے غضب کی چیز کھا رہا ہے اور غاصب پر غضب ساتھ ساتھ نازل ہو رہا ہے۔ مثلاً حلوائی کی دکان سے ہاتھ مار کر مٹھائی کھائی اور ادھر سے لاٹھیاں پڑنے لگیں کہ زبان کو تو مٹھائی کا مزہ آیا مگر سر پھوٹا اور ذرا سے مزہ کے لیے مدتوں مرہم پٹی ہوتی رہی، لذت تو یہاں بھی آئی مگر کیا یہ لذت کس شمار میں ہے؟ اور کیا کوئی عقل مند اس لذت کے لیے غصب ⑤ کی اجازت دے دے گا؟ اور بے حسی کی اور بات ہے۔

ایک سرحدی کی حکایت

جیسے ایک سرحدی دیہاتی کا قصہ سنا ہوگا وہ یہ ہے کہ کوئی سرحدی وحشی

① نظر اس لیے چوک رہی ہے ② ادراک نفس سے ہوتا ہے ③ تکلیف وراحت ④ باولہ پن ⑤ دوسرے کا مال کھانے کی۔

ہندوستان میں آیا تھا کسی حلوائی کی دکان پر حلوا رکھا دیکھا قیمت پاس تھی نہیں آپ اس میں سے بہت سا اٹھا کر کھا گئے، حلوائی نے حاکم شہر کو اطلاع دی حاکم نے یہ سزا مقرر کی کہ ان کو گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں تشہیر کیا جاوے اور بہت سے لڑکے ساتھ کر دیئے جاویں کہ وہ ڈھول بجاتے پیچھے پیچھے چلیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب حلوا خور صاحب ① اپنے گھر واپس گئے، تو لوگوں نے پوچھا کہ آغا ہندوستان رفتہ بودی ہندوستان چگونہ ملک ست؟ ② کہنے لگے کہ ہندوستان خوب ملک است، حلوا خر دن مفت ست، سواری خرمفت ست، فوج طفلاں مفت ست، ڈم ڈم مفت ست، ہندوستان خوب ملک ست ③۔

روح کا زخم

بس واقعی ایسی لذت تو ہے گناہ میں اگر یہ آغاز کی لذت کچھ لذت ہے تو گناہ کی بھی ہم کہتے ہیں لذت ہے ورنہ گناہ تو ایسی پریشانی کی چیز ہے کہ اس سے قلب و روح سب مجروح ④ ہو جاتے ہیں جسم کی لذت کو لذت کہہ لیجئے اور بس۔ مگر یہ ایسا ہے جیسے تمام جسم زخموں سے گل گیا مگر اوپر کاغذ چپکا کر کھڑا کر دیا کہ دیکھنے میں برا نہیں معلوم ہوتا مگر خدا نے اگر آنکھیں دی ہیں تو کاغذ اور کھال الگ الگ معلوم ہو سکتے ہیں، آنکھ بند کر لینا نہیں چاہیے۔ اسی طرح گناہوں میں تھوڑی دیر کے لیے کچھ جسم کو لذت ہوتی ہے پھر قلب و روح پر صدمہ پہنچتا ہے اسے بھی تو دیکھنا چاہیے یہ تو گناہ کا لازمی اثر ہے۔ یعنی وہ اثر ہے جو گناہ کرنے والے پر پڑتا ہے اس میں متعدی اثر بھی ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہر گناہ میں یہ اثر بھی ضرور ہے کہ دوسروں کو اس شخص سے ناگواری پیدا ہوتی ہے، بعض گناہوں میں تو یہ بات بہت ہی بدیہی ⑤ ہے کہ فوراً ہی اس شخص سے دوسروں کو نفرت پیدا ہو جاتی ہے جیسے غیبت، جھوٹ، شراب خوری وغیرہ وغیرہ۔ دیکھئے! شراب پیتے ہی عقل رخصت ہوتی ہے پھر جو کچھ بھی ناشائستہ حرکت صادر ہو جائے کسی کو تکلیف پہنچے یا مار پیٹ ہو جاوے یا مال چھین لے تو کیا بعید ہے۔ کم از کم بدتمیزی اور بدزبانی گالیاں بکنا تو فوراً ہی شروع ہو جاتا ہے۔ آدمی افعال فحش کرنے لگا ہے ⑥ یہ سب دوسروں کے لیے

---

① حلوہ کھانے والا ② لوگوں نے پوچھا ہندوستان گئے تھے ہندوستان کیسا مُلک ہے ③ کہنے لگا ہندوستان بہترین ملک ہے کھانے کو حلوا مفت ملتا ہے گدھے کی سواری مفت بچوں کی فوج مفت ڈھول ڈھمکا مفت ہے ہندوستان خوب مُلک ہے ④ زخمی ⑤ ظاہر ہے ⑥ بے ہودہ حرکات کرنے لگتا ہے۔

باعث اذیت ہوتے ہیں اور جھوٹ اور غیبت سے کیسی تکلیف پہنچتی ہے، غیبت سے عداوتیں پیدا ہوتی ہیں، جھوٹ سے حق تلفیاں ہوتی ہیں، یہ باتیں اذیت پہنچانے والی ہیں یا نہیں؟ جب دوسرے کو اذیت ① پہنچے گی تو وہ ضرور ناخوش ہوگا اور وہ بھی اذیت پہنچانے میں دریغ نہ کرے گا اور یہی اذیت جڑ ہے نا اتفاقی کی اور گناہ جڑ ہے اذیت کی تو گناہ جڑ ہے نا اتفاقی کی۔ ان خاص گناہوں میں تو یہ بات بہت ہی بدیہی ہے اور ان کا یہ فوری اثر اور لازمی نتیجہ ہے۔ باقی اگر غور سے دیکھا جاوے تو ہر گناہ پر یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے کیونکہ تمام گناہوں سے قلب میں ظلمت وقساوت ② پیدا ہوتی ہے اور یہ اثر ہر گناہ کے لیے لازمی ہے اور جب قلب میں ظلمت وقساوت آجاتی ہے تو پھر یہ شخص کسی کی راحت کا خیال نہیں کرتا، اخلاق خراب ہوجاتے ہیں اور تکبر وظلم میں مبتلا ہوجاتا ہے اور تکبر وظلم اذیت کی اور اذیت نا اتفاقی کی جڑ ہے۔

اساس ③ اتفاق

آج کل تمدن تمدن کا بہت غُل ④ مچ رہا ہے، اسباب تمدن پر کسی کی نظر نہیں۔ صاحبو! تمدن تو اتفاق ہی کا نام ہے اور گناہ اس کی جڑ کاٹنے والا ہے تو گناہ جڑ ہوا تمدن کی خرابی کا۔ پس تمدن بدون اتباع شریعت کے نہیں ہوسکتا۔ ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ لوگ اتفاق اتفاق پکارتے ہیں مگر اتفاق کے اساس کو اختیار نہیں کرتے، فرمایا کہ اتفاق کی جڑ ہے تواضع ⑤، بدون تواضع کے اتفاق نہیں ہوسکتا، متکبرین میں ہمیشہ اختلاف ہوگا کیونکہ ہر ایک یہ چاہے گا کہ میری رائے کے موافق کام ہو کوئی بھی اپنی رائے کو دوسرے کے تابع نہ کرے گا۔ پھر اس کا نتیجہ سوائے اختلاف و نزاع ⑥ کے اور کیا ہوگا۔ پس جو لوگ اتفاق کے حامی ہیں وہ پہلے تواضع اختیار کریں اور دعوے سے کہا جاتا ہے کہ تواضع بدون اتباع شریعت اور امتثال احکام الٰہیہ واجتناب عن المعاصی ⑦ کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ کہاں ہیں مدعیان عقل؟ اس دلیل کے کسی مقدمہ میں کلام کریں اور اگر اس دلیل میں کلام نہ کرسکیں تو نتیجہ مان لینا چاہیے۔ وہ نتیجہ یہ ہے کہ تمدن بدون ترک معاصی ⑧ کے نہیں ہوسکتا بات صحیح اور واقعی تو یہی ہے۔

---

① تکلیف۔ ② دل میں سختی وظلمت ہوتی ہے ③ بنیاد ④ شور ⑤ عاجزی ⑥ جھگڑے ⑦ احکام الٰہی کی پیروی اور گناہوں سے بچے بغیر ممکن نہیں ⑧ بغیر گناہ ترک کئے۔

فساد مذاق

یہ اور بات ہے کہ دہلی کا نام کلکتہ رکھ لیا جاوے اور اذیت کا نام راحت رکھ لیا جاوے، آج کل مذاق ایسے فاسد ہو گئے ہیں کہ چال میں ڈھال میں اور بول چال میں غرض ہر ہر حرکات وسکنات میں وہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جو گناہ سے خالی نہ ہو اور گناہ بھی کونسا اصل الاصول گناہوں کا اور اکبر الکبائر ① جس کا نام تکبر ہے اور اس کو ترقی وتمدن کہا جاتا ہے۔ سنکھیا کا نام تریاق رکھا جاتا ہے حتیٰ کہ لباس میں بھی وہ وضع اختیار کی جاتی ہے جو حکمران قوم کی وضع ہے جس کا منشاء بہ جز تکبر ② کے کچھ نہیں، صورت شکل ان کے قبضہ میں نہیں ورنہ شاید شکل بھی انہی جیسی بنالیتے ہیں۔ میں تو دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آج کل کی تہذیب کی حقیقت محض تعذیب ③ ہے کہ تقلید محض ہے اور ہر طرح کی تنگی مگر ایک دنیا ہے کہ آج اسی کی دلدادہ ہے جن اقوام کی تقلید کی جاتی ہے وہ خود اس کو رانہ تقلید سے نفرت کرتے ہیں اور ان کو بے وقوف اور ذلیل سمجھتے ہیں اور بات ہے بھی یہی کہ وضع اور لباس میں کسی کی تقلید کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ایسی تقلید کے وہ خود بھی تو خواستگار ④ نہیں۔ لوگ خواہ مخواہ اس میں مرے جاتے ہیں اور تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور زیر بار ⑤ ہوتے ہیں مگر کھپے جاتے ہیں اور اسی میں ہر قوم کے رسوم و رواج علیحدہ ہوتے ہیں۔ اپنے رسم و رواج میں صرف ان کو آسانی اور راحت ہو سکتی ہے نہ ہمیں، لوگ ان میں کچھ مصلحتیں بھی بیان کرتے ہیں، میں اس کی نفی نہیں کرتا کیونکہ جس قوم میں جو رسم ورواج ہے وہ تو مصلحت ہی کے لیے ہر بات کو اختیار کرتے ہیں مگر مقلدین کا اختیار کرنا مصلحت کے لیے نہیں ان کے ذہن میں تو مصلحت کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ یہ تو صرف اس واسطے ان کی نقل کرتے ہیں کہ وہ بڑے ہیں تو ان کی نقل کر کے یہ بھی کچھ بڑے بن جاویں۔

مقصود فیشن

صاحبو! یہ ہے اصل فیشن کی۔ بس اسی کے دلدادہ اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں اور ایمان سے کہیں کہ وہ جو کچھ فیشن اختیار کرتے ہیں کیا ان مصلحتوں اور ضرورتوں کی وجہ سے اختیار کرتے ہیں جو اس میں بیان کی جاتی ہیں یا محض ان کی تشبہ اور نقل کے لیے۔

---

① بڑے گناہوں سے بھی بڑا گناہ ② سوائے تکبر کے ③ عذاب میں مبتلا ہونا ہے ④ ایسی تقلید وہ بھی نہیں چاہتے ⑤ قرض ادھار کر کے ان کا سا لباس خریدتے ہیں۔

غرض فیشن صرف بڑا بننے کے لیے بنایا جاتا ہے اور یہ بڑا بننا خود سخت مرض ہے کیسا بڑا بننا؟ ذرا آدمی اپنی اصل کو تو دیکھے اسی واسطے کہا ہے:

مالمن اوله نطفته وجيفته خره يفخر

یعنی جس کا اول یہ ہے کہ ایک نطفہ ناپاک تھا اور آخر یہ ہے کہ ایک گندہ مردار ہے اس کے لیے کیا شایاں ہے کہ اترائے اور بڑا بنے اور اگر بڑا ہی بننا ہے تو اس کا طریقہ یہ نہیں کہ بڑوں کی نقل کی جاوے یہ تو بالکل غیر مؤثر ہے کیونکہ ذرا سی دیر میں یہ بات کھل جاتی ہے کہ یہ نقل ہے اصل نہیں ہے اور یہ بات کھل جانے کے بعد بجائے اس کے کہ آدمی کی عظمت ہوالٹی تحقیر ہو جاتی ہے [1] جیسے کوئی بہروپیا حاکم کا لباس پہن کر کہیں چلا جائے، تو لوگ اس کے ساتھ ایک دفعہ تو وہی برتاؤ کر لیں گے جو حاکم کے ساتھ کرتے ہیں لیکن جس وقت بات کھل جاوے گی تو وہ برتاؤ کہاں؟ اس کا عکس ہوگا بلکہ عجب نہیں کہ سر پر جوتیاں پڑیں۔ یاد رکھو عظمت ہمیشہ اصل میں ہوتی ہے نقل میں کچھ بھی عظمت نہیں۔

تسخیر قلوب

پھر یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ اس بڑائی کی حقیقت جاہ ہے جس کو عزت اور عظمت بھی کہتے ہیں اور اس کی حقیقت قلوب کا مسخر کر لینا ہے یعنی دلوں میں محبت اور عزت پیدا ہو جانا۔ اب امتحان کر لیجئے! کہ اس وضع اور طرز کا اثر تسخیر قلوب ہے یا اس کا عکس؟ یعنی آیا دلوں میں اس سے کچھ عظمت اور عزت اور محبت پیدا ہوتی ہے یا نفرت اور وحشت؟ اگر انصاف سے غور کرو گے تو معلوم ہو جاوے گا کہ اس نقل سے کچھ بھی عزت و محبت قلوب میں پیدا نہیں ہوتی کیونکہ محبت ہوتی ہے انس سے اور جب تم نے وضع غیروں کی بنا رکھی ہے تو عام لوگوں کو خاک انس ہوگا؟ وہ تو تم سے بھی ویسے ہی گھبرائیں گے جیسے کسی انگریز کے آنے سے گھبرایا کرتے ہیں۔ باقی اس وضع اور طرز سے جو یہ اثر پیدا ہوتا ہے کہ لوگ آپ کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور مجلس میں جگہ مل جاتی ہے اور حضور حضور کرنے لگتے ہیں اس کا سبب عظمت و عزت نہیں بلکہ خوف ہے تو یہ جو کچھ تعظیم کی جاتی ہے ایسی ہے جیسے ایک بھیڑیا کسی مجمع میں آجاوے تو ظاہر ہے کہ دور

[1] تذلیل ہوتی ہے۔

سے اس کو دیکھتے ہی لوگ کھڑے ہو جاویں گے، اگر کھڑے ہو جانے کا نام تعظیم اور جاہ ہے تو بھیڑیا بھی بہت معظم و معزز ہے جس کی ہر شخص چھوٹا اور بڑا اور حاکم اور محکوم حتیٰ کہ کلکٹر صاحب بلکہ لاٹ صاحب بھی تعظیم کرتے ہیں کیونکہ اگر لاٹ صاحب کے سامنے بھی بھیڑیا ایک دفعہ آجاوے تو ان کو بھی کھڑا ہو جانا پڑے گا۔ لہٰذا عزت کے دلدادوں کو چاہیے کہ بھیڑیئے کی وضع بنادیں اور فیشن ایسا اختیار کریں جس سے آدمی ہو بہو بھیڑیا معلوم ہو۔ صاحبو! کیا ہو گیا جس کو لوگوں نے خوف کا نام عزت رکھ لیا ہے، میں اس موقع پر اس سرحدی کا قصہ پھر یاد دلاؤں گا جس نے لونڈوں کی بھیڑ کو فوج سمجھا اور گدھے کی سواری کو عزت سمجھا، خوب یاد رکھئے! کہ تسخیر قلوب تواضع ① سے ہوتی ہے لیکن چونکہ لوگ تواضع کے معنی سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اس لیے میں اس کی حقیقت بھی بتلانا چاہتا ہوں۔

حقیقت تواضع

سو یاد رکھو کہ تواضع کے معنی یہ ہیں کہ اپنے آپ کو دوسروں سے کم سمجھو۔ نہ یہ کہ اپنے آپ کو دوسروں سے کم تر بناؤ۔ بعض لوگ خراب خستہ صورت بنا لینے کو تواضع سمجھتے ہیں چاہے دل میں تکبر بھرا ہو تو خوب سمجھ لو! کہ اگر تواضع بھی بناوٹ سے ہو تو وہ بھی درحقیقت تواضع نہیں ہے بلکہ تکبر ہے۔ حقیقی تواضع اختیار کرو! یعنی دل سے اپنے کو سب سے کمتر سمجھو! ان شاء اللہ دیکھ لو گے کہ جاہ اور عزت اور عظمت و محبت اس کے ساتھ ساتھ ہے۔

اگر شہرت ہوس داری اسیر دام عزلت شو کہ در پرداز دارد گوشہ گیری نام عنقاء ②

یہ حالت بدمذاقی اور فساد حس کی ہے کہ جس چیز کے طالب ہیں اس کا طریقہ بھی غلط اختیار کر رکھا ہے۔

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی! کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست ③

یعنی جاہ حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر اس کے طریقے بھی نہیں جانتے اور جو طریقے اختیار کر رکھے ہیں ان سے مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ یاد رکھئے! کہ جس چیز میں گناہ کی آمیزش ہو

---

① دلوں میں محبت عاجزی سے پیدا ہوتی ہے ② اگر شہرت چاہتے ہو تو اس کا طریقہ بھی یہی ہے کہ گوشہ نشینی اختیار کرو اس لیے کہ عنقاء پرندہ کی شہرت اس بنا پر ہے کہ وہ عام نظر نہیں آتا'' ③ ''میں ڈرتا ہوں اے اعرابی تو کعبہ نہ پہنچے گا اس لیے کہ جو راستہ تو نے چلنا اختیار کیا ہے وہ ترکستان کا ہے''

جاوے اس سے کبھی جاہ یا تمدن یا اتفاق حاصل نہیں ہوسکتا۔ خصوص مسلمان کو بلکہ اس کا مفاد پیدا ہوتا ہے کیونکہ ہر گناہ میں کسی نہ کسی درجہ کا کبر ضرور شامل ہوتا ہے اس کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے کہ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ یہ شخص بڑا بننا چاہتا ہے تو وہ بھی اس کے مقابلہ میں بڑا بننا چاہتا ہے۔ اب دو متکبر جمع ہو گئے ہیں اور دو متکبروں میں کبھی میل نہیں ہوسکتا کیونکہ ہر شخص دوسرے سے کھچنا چاہتا ہے اور میل کی حقیقت دوسرے کی طرف میلان ہے، اجتماع ضدین کیسے ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دو بادشاہوں میں بھی اتفاق نہیں ہوتا کیونکہ وہ دونوں بڑائی کے طالب ہیں اور دو فقیروں میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ کوئی ان میں بڑائی کا طالب نہیں (یعنی جو حقیقت میں فقیر ہوں ان میں اختلاف نہیں ہوسکتا نہ یہ کہ فقیر کی صورت میں ہوں) جن کی نسبت کہا ہے:

ایں کہ می بینی خلاف آدم اند نیستند آدم خلاف آدم اند①

مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ پھر صحابہؓ میں اختلاف کیوں ہوا؟ حالانکہ وہ کامل مکمل فقیر اور مہذب تھے ان سے زیادہ اصلاح نفس کون کرسکتا ہے اس کا جواب بھی صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کے کلام میں موجود ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ شیخینؓ کے وقت میں تو اختلاف نہیں ہوا آپ کے وقت میں اختلاف کیوں ہوا۔ آپ نے جواب دیا کہ سلطنت کا مدار وزراء پر ہوتا ہے۔ شیخین کے وزیر ہم تھے لہٰذا اختلاف نہیں ہوا اور ہمارے وزیر تم ہو! تو اب جو کچھ اختلاف ہے وہ تمہاری بدولت ہے ہمارا قصور نہیں۔ کیسا اچھا جواب ہے اور بات کیسی سچی ہے بڑوں پر چھوٹوں کے کہنے کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کوئی کسی کی شکایت مجھ کو نہ پہنچاوے: (وَوَدَدْتُّ اَنْ اَخْرُجَ اِلَیْکُمْ وَاَنَا سَلِیمُ الصدر ②یعنی مجھے یہ پسند ہے کہ میں تم لوگوں سے ملوں تو صاف دل ملوں اس سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ شکوہ شکایت کا اثر ضرور ہوتا ہے جبھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا اگر اثر نہ ہوتا تو منع فرمانے کی کیا حاجت تھی؟

---

① ''جو کچھ تم آدمیت کے غلاف میں دیکھتے ہو سوائے انسانیت کے لبادہ کے اس میں (حقیقی معنوں میں) انسان نہیں ہے'' ② الماجد الحدیث فی موسوعۃ اطراف الحدیث النبوی الشریف

بیچ والوں کو دخل ضرور ہوتا ہے اگرچہ یہ بھی یقینی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شکوہ شکایت کا طبعی اثر ہونے پر بھی اس کے مقتضی پر عمل نہ ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مغلوب النفس ① نہیں تھے آپ جو کچھ کریں گے سوچ سمجھ کر کریں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحب وحی بھی ہیں اگر کوئی بات سمجھ میں بھی نہ آئے گی وحی سے اطلاع ہو جاوے گی مگر یہ تو ثابت ہوا کہ کہنے سننے کا اثر ہوتا ہے۔ تب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پیش بندی فرمائی۔

معاونین کا اثر

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سلطنت تو بڑی چیز ہے، گھروں میں اور چھوٹے چھوٹے کاموں میں بھی بیچ والوں اور متعلقین پر کچھ نہ کچھ وثوق ہوتا ہے اور ایسا کرنا پڑتا ہے ورنہ تنہا ایک آدمی کچھ کام نہیں کر سکتا کیونکہ ہر کام میں دوسروں کی اعانت کی ضرورت کچھ نہ کچھ ہوتی ہی ہے۔ انسان اپنے سارے کام اپنے ہاتھ سے نہیں کر سکتا تو کام پورا ہونے کی صورت سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ معینین ② پر اس کام کے اجزاء تھوڑے تھوڑے بانٹ دیئے جاویں اور اس جزو میں اس پر اعتماد کیا جاوے اور اگر ایسا نہ کیا جاوے تو کام پورا ہی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ذرا سا کام کھانا پکانا ہے، دیکھ لیجئے! ہر انسان اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں پکا سکتا۔ اس واسطے اس کام کے لیے باورچی کو رکھتے ہیں مگر یہ کام پورا جب ہی ہوگا جبکہ باورچی پر اعتماد کیا جاوے اور اگر اعتماد نہ ہوا اور اس کے کام میں وہم نکالے جاویں کہ ممکن ہے وہ زہر ملادے اور جان جاتی رہے یا کوئی نجاست ملادے یا چرالے تو کھانے پکانے کا کام پورا نہیں ہو سکتا بلکہ بدگمانی کو دخل دیا جاوے تو کوئی ایسا کام بھی پورا نہیں ہو سکتا جس میں دوسرے کی اعانت کی ضرورت نہ ہو مثلاً محلہ کے کنویں سے کوئی شخص پانی نکال کر وضو کرنا چاہے مگر یہ وہم کرے کہ شاید کسی نے استنجے کا ڈھیلا ڈال دیا ہو اور یہ ناپاک ہو تو وضو ہو چکا اور نماز پڑھی جا چکی۔ غرض اعتماد سے چارہ نہیں اور اپنے احباب پر اعتماد کرنا کوئی جرم نہیں نہ یہ غلطی میں داخل ہے۔ ہاں یہ غلطی ہو سکتی ہے کہ غیر معتبر سمجھ لیا جاوے اور اس میں بھی بعض وقت آدمی مجبور ہوتا ہے کیونکہ کسی کے ظاہری حالات ہی کو دیکھ سکتا ہے اور انہی پر اعتماد کر سکتا ہے اور ممکن ہے

① نفس کے تابع ② تعاون کرنے والوں۔

کسی کا ظاہر کچھ ہو اور دل میں کچھ چھپا رکھا ہو یا حالت کا بدل جانا بھی ممکن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ طمع وغیرہ سے کسی کی نیت بدل جاوے۔ چنانچہ سلطنت میں ایسا بہت ہوا ہے اور ہوتا ہے تو ظاہر پر نظر کر کے اعتماد میں غلطی ممکن الوقوع ہے۔ بڑے بڑوں سے ایسی غلطی ہونا ممکن ہے اور اس میں وہ معذور ہیں اور جب اعتماد سے چارہ نہیں اور اس میں غلطی ہونا ممکن ہے تو اسکی تدبیر بس ایک ہی ہوسکتی ہے کہ معتمد علیہ کے اخلاق کی درستی کی جاوے اور اس کو تعلیم دی جاوے کہ وہ کسی قسم کا دھوکہ نہ کرے۔ آگے اس کا فعل ہے وہ اس پر عمل کرے نہ کرے۔ غرض دو شخصوں کا لڑا دینا درمیانی غیر اصلاح شدہ لوگوں کا کام ہے تو اگر صحابہ پر درمیانی اشخاص کے لگائی بجھائی کا اثر ہو گیا ہو جن کو قابل اعتماد سمجھتے تھے تو تعجب کی کیا بات ہے؟ اس میں ان پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ یہ اصل ہے مشاجرات صحابہ کی ①

تعظیم صحابہ رضی اللہ عنہم

باقی ہمارے وہ سب بڑے اور بزرگ ہیں۔ ایک باپ ہیں تو دوسرے چچا ہیں اگر کچھ غلطی ہو تو چچا کی غلطی بھتیجے کو پکڑنا نہیں چاہیے ان کے اختلاف میں تاویل کریں گے وہ تاویل یہ ہے کہ کسی طرف غلطی اجتہادی ہوگئی جس میں مجتہد معذور ہوتا ہے اور یہ یقینی ہے کہ دونوں میں سے کسی نے ہوائے نفسانی سے ایسا نہیں کیا۔ شاید کوئی کہے کہ جیسے ان کی بزرگی کو اس کا موجب قرار دیا جاتا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور کسی پر طعن نہ کیا جاوے اسی طرح وہی بزرگی اس کی بھی تو موجب ہے کہ ان کی غلطی کی سزا بھی تو بڑی ہو کیونکہ بڑوں کی غلطی اور ان کی سزا بھی بڑی ہوتی ہے لہٰذا اس سزا کا ذکر کر کے طعن کرنے میں کیا حرج ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ یہ کیا تھوڑی سزا ہے کہ ہم اس ناپاک منہ سے ان حضرات کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ ان سے غلطی اجتہادی ہوگئی، ہمارے لیے تو یہ

---

① میں کہتا ہوں کہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات صحیح روایات میں دیکھے جائیں تو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ ہر فریق نے جو صورت بھی اختیار کی اس میں وہ مجبور تھا۔ واقعات ایسے پیش آئے کہ حضرت معاویہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کے نہ تسلیم کرنے میں مجبور تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی مخالفت کو بغاوت پر محمول کرنے میں مجبور تھے۔ واقعات میں غور کرنے کے بعد کسی تاویل کی ضرورت نہیں رہتی ۲ اظفر اور غور کرنے کے بعد ان واقعات میں دوسروں کا ہاتھ نظر آوے گا۔ ۱۲ منہ

بھی چھوٹا منہ بڑی بات ہے اس سے آگے تم جزا و سزا کے تخمینے لگانے والے کون ہو، جہنم تمہاری ملک نہیں جس کی ملک ہے وہ جانیں سوان کی سن لیجئے جہنم جن کا ہے وہ اپنے رسول کی زبان سے فرماتے ہیں: طُوبَى لِمَنْ رَاٰنِي وَاٰمَنَ بِي ① اور فرماتے ہیں: لاتَمَسّ النَّارُ مَن رَاٰنِي ② وہ تو ان کو جہنم سے بری فرماتے ہیں اور آپ ان کے لیے سزائیں تجویز کریں۔ مدعی سست گواہ چست ③۔ ہمیں اس معاملہ میں گفتگو نہ کرنا چاہیے جب خدا تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے خون میں رنگین ہونے سے بچالیا تو ہم پاگل ہیں کہ اپنی زبان کو ان کی تحقیر سے گندہ کریں ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تِلْكَ دِمَاء قَدْ طَهَرَ اللّٰهُ مِنْهَا اَيْدِيْنَا فَلَا نُلَوِّثُ بِهَا الْسِنَتَنَا ④

فرسودہ تاریخ

یہ تو جواب تحقیقی ہے اور جواب الزامی یہ کہ ہے مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا جس تاریخ میں ذکر ہے وہ تاریخ غلط ہوگی۔ تاریخ کی صحت پر کون سی وحی آچکی ہے بلکہ وحی تو اس کے خلاف پر ہے۔ حق تعالیٰ ان کی نسبت فرماتے ہیں: ''رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ⑤ رحماء میں کہیں جنگ جدال بھی ہوتی ہے۔ الغرض ہم کو ان قصوں میں پڑنا نہ چاہیے ہمارا منہ تو ان حضرات کے سامنے ایسا ہے کہ اس سے ان کی مدح کے بھی لائق نہیں۔

ہزار بار بشویم دہن بہ شک و گلاب　　ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است ⑥

جب ان کی مدح ⑦ کے لائق بھی ہماری زبان نہیں تو قدح ⑧ کی لائق تو کہاں ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے لوگ نہ تھے جن کی طرف بدگمانی کی جاوے کوئی ان میں سے دوسرے سے بڑا بننا نہ چاہتا تھا تکبر تو ان حضرات کے پاس بھی نہ تھا جو جڑ ہے نااتفاقی کی ان میں نزاع ⑨ کی وجہ تکبر یقیناً نہ تھی۔ بس ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی

---

① ''خوشخبری ہے اس کے لیے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا'' مسند احمد ۳ الی مشکوۃ المصابیح: ۳۸ کنز العمال: ۱۳۳۹ تفسیر القرطبی ② جس نے مجھے دیکھا اس کو آگ نہیں چھوئے گی ③ دعویٰ کرنے والا تو ایسی تیزی دکھاتا نہیں اور گواہ تیزی میں ہے ④ یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو محفوظ رکھا۔ پس ہمیں اپنی زبانیں اس میں ملوث نہ کرنی چاہیے'' ⑤ آپس میں رحیم ہیں ⑥ ہزار مرتبہ بھی منہ کو مشک وگلاب سے دھولوں پھر بھی اس ناپاک منہ سے ان کا نام لینا بے ادبی ہے ⑦ تعریف ⑧ برائی ⑨ لڑائی کی وجہ

غلطی اجتہادی ہوگی جس میں دونوں فریق معذور ہیں مشاجرات① صحابہ رضی اللہ عنہم کی بحث درمیان میں ایک سوال کے جواب میں آگئی نیز یہ فائدہ بھی ہوا کہ بعض لوگ اس میں بھی بعض وقت بڑی بے باکی کر جاتے ہیں بڑی احتیاط چاہیے سب کو ایک لکڑی سے ہانکنا ٹھیک نہیں۔

گناہ کا متعدی اثر

بیان یہ تھا کہ متواضعین② میں نا اتفاقی اور متکبرین③ میں اتفاق کبھی نہیں ہوسکتا کیونکہ تکبر گناہ ہے اور گناہ موجب اذیت ہے جب اذیت ہوگی تو میں کہاں اور اس میں ان کی غلطی کا بھی بیان ہوگیا جو مدعی تمدن ہیں اور صورتیں وہ اختیار کرتے ہیں جو گناہ پر مشتمل ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ گناہ کبھی سبب اتفاق اور تمدن کا ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ جڑ ہے اذیت کی اور اذیت قاطع اتفاق ہے④ نہ کہ موجب اتفاق اور اس کو میں نے گناہ کا متعدی اثر کہا تھا کہ اس سے دوسرے کو ناگواری ہوتی ہے (ناگواری کا ترجمہ اذیت ہے) ناگواری ان سب مفاسد کی اصل ہے اور جب گناہ جڑ ہوئی اذیت کی تو طاعت اصل ہوئی راحت کی یہ بات دلیل سے تو بہت سہولت سے ثابت ہوگئی اگر حس صحیح ہے تو اس کے ماننے میں کچھ تامل نہیں ہوسکتا اور حس ہی فاسد ہو جائے تو مریض صفرا کو میٹھی چیزیں بھی کڑوی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ تو کیا اس سے مٹھائی کی شیرینی جاتی رہے گی؟

طاعت کی لذت

اگر کوئی کہے کہ طاعت ہمیشہ تو موجب راحت نہیں ہوتی بعض وقت تو طاعت سے بھی تکلیف ہوتی ہے جیسے کسی بے نمازی کو مجبور کر کے نماز پڑھوائیں تو اس کو کس قدر ناگواری ہوتی ہے کہ جان چراتا ہے اور بھاگتا ہے اور موقع دیکھتا ہے کہ ان لوگوں کے قبضہ سے نکل بھاگوں یہ سب تو اثرات اذیت ہی کے ہیں نہ کہ راحت کے پھر یہ دعویٰ کیسے صادر ہوا کہ طاعت ہمیشہ موجب راحت ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ طاعت سے جو کچھ اذیت ہوتی ہے وہ صرف تبدیل عادت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے کوئی گنوار ہو جس کو ہمیشہ چٹنی روٹی کھانے کی عادت ہے اور کہیں اس کو پلاؤ قورمہ ملنے لگے تو اس کا

① صحابہ میں اختلاف ② عاجزی کرنے والوں میں ③ تکبر کرنے والو میں ④ اتفاق کو ختم کرنے والی

معدہ اس کو ایک دم قبول نہ کر سکے گا تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ چٹنی روٹی پلاؤ قورمہ سے اچھی چیز ہے اور پلاؤ قورمہ معدہ کے لیے مضر ہے بلکہ وجہ اس کی صرف تبدیل عادت ہے۔ چنانچہ چند روز کے بعد جب اس کا معدہ اس کا خوگر ① ہو جاوے گا تو معلوم ہوگا کہ پلاؤ قورمہ کس قدر لذیذ اور مفید اور مقوی چیز ہے اسی طرح بے نماز کو نماز پڑھوانے سے جو تکلیف ہوگی وجہ اسکی صرف تبدیل عادت ہے نہ واقعی تکلیف اسی واسطے اس تکلیف کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے پھر وہ جاتی رہتی ہے اور راحت کا احساس ہونے لگتا ہے پھر وہ خود قائل ہوتا ہے اس راحت کا۔ چنانچہ نماز کے لیے کسی سے کہا جاوے تو اس وقت تو اس پر بار ہوتا ہے مگر پھر عنقریب ہی وہ اس میں نہایت لذت پاتا ہے۔

طاعت کی خاصیت

اور ہر طاعت کی یہی خاصیت ہے اگر اس میں تھوڑی سی مشقت ہی ہو مگر جلدی ہی اس کی راحت ولذت نظر آنے لگتی ہے اور صرف آخرت ہی کی نہیں بلکہ دنیا کی بھی چنانچہ ایک عطر فروش کا قصہ ہے کہ وہ قنوج سے کالپی میں عطر فروخت کرنے آئے، نماز پڑھنے جو مسجد میں آئے، اتفاق سے ایک سب انسپکٹر بھی مسجد میں آئے تھے جنہوں نے نماز پڑھی مگر ولایتی نماز کیونکہ آج کل ولایتی ہر چیز اچھی مانی جاتی ہے تو انہوں نے نماز بھی ولایتی ہی پڑھی یعنی نئی قسم کی کہ نہ رکوع ٹھیک نہ سجود ② ٹھیک، بس اٹھک بیٹھک سی کر لی۔ یہی لوگوں کی ایک عادت ہوگئی ہے کہ اول تو نماز کم پڑھتے ہیں اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو تعدیل وعدم تعدیل ③ سے کچھ بحث نہیں، ٹکریں مار لیں اور بس۔ افسوس کی بات ہے کہ محنت تو اتنی ہی ہوئی جتنی صحیح نماز میں ہوتی ایک ذرا سا فرق رہ گیا جس سے نماز مطلوب ④ ادا بھی نہ ہوئی بے نماز کے بے نماز رہے جیسے ایک آقا اور نوکر شرط باندھ کر نماز پڑھتے تھے کہ دیکھیں کون جلدی پڑھے، ایک ظریف نے کہا معلوم ہوتا ہے نماز میں جو ذکر اذکار وغیرہ ہیں تو وہ گھر پر کر لیتے ہو صرف اٹھک بیٹھک رہ جاتی ہے وہ یہاں کر لیتے ہو۔ غرض اسی طرح سب انسپکٹر صاحب نے ولایتی نماز پڑھی۔ ایک

① عادی ② نہ رکوع درست نہ سجدہ ③ تعدیل ارکان یعنی اطمینان سے ہر رکن ادا کرنے کا خیال نہیں کرتے ④ جیسی درکار تھی ویسی ادا نہ ہوئی۔

خدا کا بندہ یعنی وہی عطر فروش وہ بھی دیکھ رہا تھا اس نے نہایت تہذیب سے اور نرم لہجہ میں بلکہ خوشامد کے لہجہ میں کہا کہ حضور نماز پھر پڑھ لیں اس میں فلاں فلاں رکن رہ گئے اور نماز ادا نہیں ہوئی۔ بس سب انسپکٹر صاحب کہاں تھے، بڑے زور کا غصہ آیا کہ ایسے معمولی آدمی نے ہم کو ٹوکا کہا ابے تو کیا جانے چھوٹا منہ بڑی بات، تو ہم کو ٹوکتا ہے اس نے کہا میں جانتا بے شک نہیں اور چھوٹا بھی ہوں مگر یہ نماز نہیں ہوئی اس کو تو لوٹا ہی لیجئے۔ سب انسپکٹر صاحب کو اور غصہ آیا اور بہت سخت سست کہا اس نے پھر کہا چاہے کچھ ہی کہہ لیجئے مگر نماز نہیں ہوئی اس کو تو لوٹا ہی لیجئے۔ سب انسپکٹر صاحب نے اس کو مارا اور خوب غصہ نکالا، کمزور کو سب ہی دبا لیتے ہیں مار کھانے کے بعد پھر اس اللہ کے بندہ نے یہی کہا کہ آپ زبردست ہیں مجھے مار لیں، پیٹ لیں مگر نماز لوٹا لیں، یہ نماز نہیں ہوئی۔ حق بات میں عجب اثر ہے کہ دل میں گھس ہی جاتی ہے (بشرطیکہ خلوص کے ساتھ کہی جاوے) اب سب انسپکٹر صاحب پر اثر ہوا اور کہا ظالم تو مجھ سے پڑھوا ہی کر چھوڑے گا اچھا میں لوٹائے ہی لیتا ہوں چنانچہ لوٹائی اور صحیح کر کے پڑھی۔

تاثیر حق گوئی

اس عطر فروش نے دین کا کام کیا یعنی امر بالمعروف ① اس سے ثواب آخرت تو کمایا ہے دنیا کا بھی یہ فائدہ پہنچا کہ تمام شہر میں شہرت ہوگئی اور جس طرف وہ نکلتا لوگ انگلیاں اٹھاتے اور کہتے یہ ہے وہ شخص جس نے کلمہ حق کہا اور سب انسپکٹر صاحب سے نماز پڑھوا ہی لی۔ اب برکت کے لیے لوگ اس کو اپنی دکانوں پر بٹھاتے ہیں اور اس کا عطر خریدتے ہیں۔ غرض اس کا عطر خوب بکا اور دکانداری کو بڑا فائدہ پہنچا۔ سو طاعت سے اکثر دنیا کا بھی فائدہ ہو جاتا ہے تو دیکھئے اس عطر فروش کو اولاً تو اذیت ② پہنچی مگر اس کی عمر اتنی ہی تھی کہ ایک جلسہ میں ختم ہوگئی اور بالآخر راحت ہی رہ گئی اور داروغہ صاحب پر بھی غالب یہ ہے کہ اثر ہوا ہوگا کیونکہ تجربہ سے ثابت ہے کہ حق بات بلا اثر کیے نہیں رہتی اور اپنے اس فعل پر پچھتائے ہوں گے اور دل میں اس عطر فروش کی تحسین کی ہوگی جس کی ظاہراً علامت یہ ہے کہ نماز کا اعادہ کیا اور فرضاً ③ داروغہ صاحب نے دل میں تحسین نہ بھی کی ہو تب بھی آج کل تو کثرت رائے پر فیصلہ

① نیکی کا حکم ② تکلیف ③ اگر بالفرض

ہوتا ہے تمام شہر تو اس کی تعریف کرتا تھا۔ غرض طاعت سے جو ناگواری ہوتی ہے اس کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے اور طاعت ایسی راحت کی چیز ہے کہ جبراً بھی کسی سے کرائی جاوے تو ذرا دیر کے بعد خود اس کو ناگواری نہیں رہتی۔ چنانچہ داروغہ صاحب کے دل سے پوچھا جاوے کہ عطر فروش کے اصرار کے بعد نماز پڑھی تھی اس میں مزا آیا تھا یا پہلی ولا یتی نماز میں؟ اگر انصاف ہوگا تو اقرار کریں گے کہ دوسری نماز میں خاص لذت تھی جو عمر بھر بھی ان کو نصیب نہ ہوئی ہوگی تو بے نماز کو اگرچہ جبر وقہر سے اس وقت ناگوار ہوتا ہے مگر دل میں وہ بھی قائل ہوتا ہے کہ یہ لوگ کچھ برا نہیں کر رہے اور میں ہی غلطی پر ہوں۔

نرم گوئی کا اثر

دوسرے یہ کہ طاعت کا امر ① کرنے سے اتنی ناگواری بھی اس وقت ہوتی ہے جبکہ سخت لہجہ سے کہا جاوے ورنہ اگر مناسب طریق سے کہا جاوے تو اتنی ناگواری بھی نہیں ہوتی۔ جیسے ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ایک آدمی کا پائجامہ ٹخنے سے نیچا دیکھا اس کو انہوں نے متنبہ کرنا چاہا تو کیا عجیب پیرایہ اختیار کیا کہ اس کے پاس آئے اور کہا جناب بعض اوقات اپنا عیب آدمی کو معلوم نہیں ہوتا اس لیے درخواست کرتا ہوں کہ ذرا دیکھنا میرا پائجامہ ٹخنے سے نیچا تو نہیں ہے اگر نیچا ہو تو میں زیادہ اونچا بنوایا کروں کیونکہ اس پر یہ وعیدیں آئی ہیں بس وہ شخص سمجھ گیا اور توبہ کی کہ اب ایسا پائجامہ نہیں پہنوں گا۔ ہماری طرف مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے ان کا قصہ ہے کہ مسجد میں پہنچے دیکھا کہ مؤذن ایک شخص سے جھک جھک کر رہا ہے یہ شخص ایک پہلوان تھا جو غسل کرنے کے لیے آیا تھا، مؤذن اکثر لڑاکا اور بدمزاج ہو جاتے ہیں اس سے الجھ رہے تھے کہ نہ نماز کے نہ روزہ کے آجاتے ہیں مسجد میں ناپاکی اتارنے کے لیے مولانا نے مؤذن کو ڈانٹا کہ کیوں احمق ہوا ہے تیرا کیا حرج ہے ایک مسلمان ناپاک سے پاک ہونا چاہتا ہے تو تُو کیوں منع کرتا ہے۔ ان حضرات کو بے محل غصہ نہیں آتا کیونکہ ایسا غصہ جب آتا ہے کہ اپنے آپ کو کسی سے بڑا سمجھیں اور یہ بات دعویٰ تقدس سے ہوتی ہے اور یہ حضرات دعویٰ تقدس سے بری ہیں کیونکہ وہ تکبر کی فرع ② ہے البتہ اصلاح کے موقع پر اصلاح

① حکم ② اپنے کو مقدس سمجھنا تکبر کی ایک شاخ ہے

کر دیتے ہیں اور چونکہ اصلاح میں بعض دفعہ نرمی کام نہیں دیتی سختی ہی کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے یہ حضرات ایسے موقع پر ظاہر میں سختی اور غصہ کے بات کہہ دیتے ہیں مگر وہ غصہ محض ظاہری ہوتا ہے۔ حقیقت اس کی اصلاح ہوتی ہے اس کے بعد اس پہلوان صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا تم اس کی باتوں پر خیال نہ کرو اور شوق سے نہاؤ ،لاؤ میں پانی بھر دوں، بھلا اس کو تو وہ کب گوارا کرتا، پانی پانی ہوگیا اور پانی کھینچنے لگا۔ مولانا نے کہا تم پہلوان معلوم ہوتے ہو تم میں تو بڑا زور ہے ذرا نفس پر زور نہیں کرتے، پہلوان ہو کر اس سے ایسے دبے ہوئے ہو کہ صبح نماز کے لیے نہیں اٹھ سکتے، سویرے اٹھا کرو اور دو رکعت نماز بھی پڑھ لیا کرو! بس یہ بات اس کے دل میں گھس گئی اور توبہ کی اور نمازی ہوگیا، نرم لہجہ کا یہ اثر ہے۔

طرز تعلیم طاعت

واعظین کو ہمیشہ اس کا خیال رکھنا چاہیے اور ایک بزرگ ہمارے قصبہ میں تھے مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا قصہ ہے کہ ایک مرتبہ چرتھاول تشریف لے گئے وہاں مسجد میں ایک بے نمازی بھی آ گیا تو چاروں طرف سے لوگوں نے چڑانا شروع کیا کہ آہا آپ بھی آ گئے ایک بولے نئے نمازی بورے کا تہمد کوئی بولے نئے نمازی اور گلگوں کی تسبیح (یہ عجیب بدتمیزی ہے کہ نئے آدمی کو لوگ چڑاتے ہیں یہ بہت بری بات ہے اور منع عن الخیر ہے① بڑی احتیاط چاہیے اس کو ترغیب چاہیے نہ کہ تنفیر) مولانا نے کہا کیا ہے لوگوں نے کہا حضرت یہ نماز نہیں پڑھتا فرمایا تم کو اس کا نماز نہ پڑھنا کیسے معلوم ہوا لوگوں نے کہا نمازی ہوتا تو مسجد میں آتا ہم نے اسے کبھی مسجد میں دیکھا نہیں۔ کہا ممکن ہے کہ یہ صاحب مکان ہی پر پڑھ لیتے ہوں (بزرگوں کی تہذیب تو دیکھے کہ الفاظ کیسے ہیں) لوگوں نے کہا اور جماعت کی ضرورت نہیں؟ فرمایا ممکن ہے کہ کوئی عذر ہو بس یہ الفاظ اس کے دل میں گھس گئے اور اسی دن سے پکا نمازی ہوگیا۔ دیکھئے یہاں طاعت کا امر ایسے شخص کو کیا گیا جو اس کا عادی بھی نہ تھا پھر بھی اس کو ناگواری نہ ہوئی۔ ثابت ہوا کہ طاعت موجب ناگواری نہیں ہاں ناگواری ہوتی ہے بے طریقہ گفتگو سے تو یہ امر زائد ہے۔ سخت

① بھلائی سے روکنے کے مترادف ہے۔

بات میں خاصیت ہی یہ ہے کہ کسی کو گوارا نہیں ہوتی خواہ وہ نیک ہی کام کے لیے ہو۔

سختی کا موقع

ہاں کبھی شاذ و نادر (۲) ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ طاعت کی تعلیم طریقہ سے ہی کی جاوے اور دل آزاری کی بھی کوئی بات نہ ہو۔ مگر پھر بھی ناگواری اور اذیت ہوتی ہے۔ یہ اس موقع پر ہوتا ہے کہ مخاطب میں اہلیت ہی نہ ہو۔ بعض طبیعتیں ایسی بھی پیدا ہوتی ہیں کہ بات کو الٹا ہی سمجھتی ہیں اور ہر چیز کا اثر ان پر الٹا ہی ہوتا ہے ان پر نرمی سے بھی برا ہی اثر ہوتا ہے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر شفیق تھے اس قدر نرم تھے کہ حق تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا ''وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ'' کہ کچھ تو سختی کیجئے ہر جگہ نرم نہ بنئے! ا معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں فطرتاً نرمی ہی تھی چنانچہ واقعات سے اور روایات سے بخوبی ثابت ہے کہ تعلیم میں بلکہ کسی برتاؤ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سختی نہ کرتے تھے مگر پھر بھی بعض طبیعتیں ایسی ہوتی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے بھی سخت متوحش ① ہوئیں حالانکہ حضور ﷺ کا لب ولہجہ طبعاً بھی نہایت شیریں تھا، پھر حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم بھی ایسی کی تھی جس سے اخلاق میں کسی قسم کی کمی نہ رہے۔ دیکھئے! وہ قصہ جس پر سورہ عبس و تولّی نازل ہوئی کہ عبداللہ بن ام مکتوم آئے، یہ نابینا تھے اور طالب تھے۔ نابیناؤں کو بعض اوقات موقع کا اندازہ نہیں ہوتا، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھنا چاہا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لوگ اور بیٹھے تھے، آپ ان کی اصلاح کی طرف متوجہ تھے۔ انہوں نے کچھ سوال کیا آپ کو بے موقع سوال سے ایک گونہ ناگواری ہوئی کیونکہ آپ تبلیغ اصول میں مشغول تھے اور یہ فروع ② کا سوال کرتے تھے اور اصول مقدم ہیں فروع پر لیکن یہاں سائل نابینا تھے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشغول یا فارغ ہونا معلوم نہ تھا اس لیے وہ بھی اس فعل میں معذور تھے۔ اس پر یہ آیت اتری جس میں عتاب ہے اور بطور شکایت نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے برا مانا اور منہ پھیر لیا، کیا مزہ کا عتاب ہے جس میں آگے حضور ﷺ کے عذر کا بھی بیان ہے کہ ایسا کیوں ہوا ''أَن جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ'' اعمیٰ کے

① وحشت زدہ ② جزوی مسئلہ۔

لفظ میں اشارہ ہو گیا کہ آپ کے عبوس① کی اس سائل کو اطلاع بھی نہیں ہوئی جس سے اس کو ناگواری ہوتی۔ غرض کوئی تکلیف سائل کو نہیں ہوئی۔ باقی یہ کہ پھر کیوں عتاب ہوا؟ تو وہ عتاب اس پر ہوا کہ ایسی شکل بنائی کیونکہ اگر وہ سوانکھا② ہوتا تو برا مانتا کس قدر اخلاق کی تعلیم ہے کہ عبوس③ کی صورت بنانے سے بھی منع فرمایا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان محبت الٰہی کو دیکھئے کہ اس واقعہ کے بعد یہ حالت تھی کہ جب کبھی عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ردائے④ مبارک ان کے واسطے بچھا دیتے اور فرماتے: مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِي فِيْهِ رَبِّي ⑤ یعنی مرحبا اس شخص کو جس کے بارے میں مجھ پر میرے رب نے عتاب کیا اس پر لطف عتاب کا مزہ کوئی دوسرا کیا جان سکتا ہے میں کبھی کبھی بعضے اندھے آدمیوں کے پاس کو گزرتا ہوں تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ سلام نہیں کرتا اس خیال سے کہ وہ مجھے مشغول کر لیں گے اس وقت سورہ عبس کو یاد کر کے شرما جاتا ہوں اور اسی واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اس وقت جن لوگوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بات کر رہے تھے وہ مسلمان نہ تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو ایک اہل دین کے مقابلہ میں خطاب میں مقدم رکھا تو یہ کس قدر شفقت ہے کہ دشمنوں کے ساتھ برتاؤ ہے کہ دوستوں سے ان کو مقدم رکھا جاتا ہے۔ غرض یہ نظائر ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور نرمی اور اخلاق کے لیکن اس پر بھی بہت سی طبیعتیں ایسی تھی کہ انکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بری لگتی تھی تو اس کی وجہ یہی تھی کہ مخاطب ہی میں صلاحیت نہ تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ گو اصل یہی ہے کہ اچھی بات دل میں جگہ کر لیتی ہے۔ خصوصاً جبکہ اس کا پیرایہ بھی نرم ہو۔

حس کی خرابی

لیکن اصل کے خلاف بھی بعض طبائع موجود ہیں مگر ایسے بے حس لوگوں کا یہاں ذکر نہیں اور نہ ایسی طبائع قابل اعتبار ہیں۔ اصل قاعدہ یہی ہے کہ اچھی بات کا اثر ناگواری نہیں ہوتا، باقی جو لوگ بے حس ہیں ان کو خود اچھی بات کی اچھائی ہی کا احساس نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ مزید یہ کہ ان کو اپنی بے حسی کا بھی احساس نہیں ہوتا جیسے ایک بڑے میاں کا قصہ ہے کہ طبیب کے پاس گئے اور اپنی کچھ شکایتیں بیان کیں کہ چلا پھرا

① ناگواری ② آنکھوں والا ہونا ③ ناگواری کی صورت بنانے سے بھی منع کیا ④ چادر مبارک ⑤ تفسیر القرطبی: ۱۹/ ۲۱۳

نہیں جاتا، انہوں نے کہا کہ یہ بڑھاپے کا اثر ہے۔ کہا اور بھوک بھی نہیں لگتی، کہا ہاں یہ بھی بڑھاپے کا اثر ہے، کہا نظر بھی کم آتا ہے، کہا یہ بھی بڑھاپے کا اثر ہے کہا اور بدن میں درد بھی ہوتا رہتا ہے کہا ہاں بڑھاپا ہے، اس پر بڑے میاں بہت بگڑے کہ تمام طب میں بس ایک یہی پڑھا ہے کہ بڑھاپے کا اثر ہے۔ طبیب صاحب نے کہا میں آپ کی اس خفگی کا بھی برا نہیں مانتا یہ بھی بڑھاپے ہی کا اثر ہے تو جس طرح اس بوڑھے کو اپنے بڑھاپے کی خاصیت معلوم نہ تھی اس لیے بڑھاپے کا لفظ سن کر چڑتا تھا۔ اسی طرح بعض لوگوں کو اپنی بے حسی کی بھی خبر نہیں ہوتی، ایسے بدتمیز کا تو ذکر نہیں۔ اگر ایسی چند طبیعتیں دنیا میں موجود ہیں تو اس سے حکیم کی تجویز غلط نہیں ہو سکتی اسی طرح اگر ان پر نرمی کا اثر الٹا ہوتا ہے تو اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اثر نرمی کا ہوا بلکہ یہ اثر ان کے فساد مذاق① کا ہے جیسے اگر مٹھائی اس شخص کو کھلائی جاوے جس کے مزاج میں صفرا بڑھ گیا ہے تو اس کو وہ تلخ معلوم ہوتی ہے تو اس سے وہ مٹھائی تلخ نہیں ہوگئی بلکہ یوں ہی کہا جاوے گا کہ یہ اسی کے حس کی خرابی ہے مٹھائی کا قصور نہیں۔ اسی طرح ناصح مشفق کی بات اگر بری معلوم ہو تو ناصح میں کمی نہیں بلکہ یہ اس کے قلب کا قصور ہے کہ الٹا ناصح کو برا کہتا ہے:

حملہ برخود میکنی اے سادہ مرد ہمچو آں شیرے کہ برخود حملہ کرد②

مولانا نے حکایت لکھی ہے شیر اور نخچیروں③ کی کہ ایک جنگل میں شیر آ گیا تھا اور جانوروں کو دق④ کرنا شروع کیا، انہوں نے مشورہ کر کے ایک جانور روزانہ اس کی خوراک کا مقرر کر دیا تا کہ سب کو تشویش نہ رہے۔ یہاں تک کہ ایک روز خرگوش کا نمبر آ گیا۔ اس نے ایک ایسی چال چلی کہ ذرا دیر میں پہنچا وہ شیر ناراض ہوا، خرگوش نے کہا آپ کی خوراک کے لیے بڑا موٹا خرگوش بھیجا گیا تھا مگر ایک دوسرے شیر نے اس کو چھین لیا، شیر نے کہا مجھ کو بتلاؤ، وہ شیر کہاں ہے وہ خرگوش اس شیر کو کنویں پر لے گیا اور پانی میں جھکا کر دکھایا کہ یہ ہے پس شیر کو غصہ آ گیا اور اس سے انتقام لینے کے لیے کنوئیں میں کود پڑا حالانکہ وہاں نہ شیر تھا نہ کچھ وہ اپنی ہی صورت تھی، یہ حملہ اپنے ہی

① مذاق کے بگڑنے کا ہے ② ”بے وقوف تو اپنے ہی اوپر حملہ کرتا ہے جیسا کہ اس شیر نے اپنے اوپر حملہ کیا تھا“ ③ خرگوشوں کی ④ پریشان۔

اوپر حملہ ہو گیا۔ فساد حس کے یہی نتائج ہوتے ہیں کہ آدمی دوسرے میں عیب نکالتا ہے اور عیب ہوتا ہے اپنا۔ جیسے ایک اور قصہ ایک حبشی کا ہے کہ راستہ میں چلا جا رہا تھا کہ ایک آئینہ پڑا ہوا ملا اسے اٹھا کر جو دیکھا تو مہیب ① ڈراؤنی شکل نظر آئی کہ ہونٹ لٹکا ہوا ہے، سیاہ رنگ ہے، نقشہ نہایت برا ہے بس آپ کو غصہ آیا اور اس کو زمین پر پٹخ دیا کہ جب تیری شکل ایسی ہے جبھی تو کوئی زمین پر پھینک گیا، کوئی پوچھے کہ یہ شکل آئینہ کی تھی یا اپنی تھی۔ ایک اس سے بھی زیادہ بیہودہ قصہ ہے۔ ایک بڈھے تھے ان کے یہاں ایک بچہ روٹی کھا رہا تھا، اتفاق سے اس کے ہاتھ سے ٹکڑا لوٹے کے اندر جا پڑا، اس نے جھانک کر جو دیکھا تو پانی کے اندر ایک بچہ نظر آیا پس اس نے رونا شروع کیا کہ ابا اس نے میرا ٹکڑا چھین لیا، یہ حرکت بچہ سے تو چنداں بعید نہیں تھی اب بڑے میاں کی سنئے کہ آپ نے بھی لوٹے میں جھانکا کہ دیکھوں کس نے چھین لیا تو لوٹے میں اپنی صورت نظر آئی کہ بڑی سی داڑھی ہے اور بزرگ صورت ہے تو آپ اس سے خطاب کر کے کہتے ہیں، افسوس ہے یہ صورت اور یہ داڑھی اور بچہ کا ٹکڑا چھین لیا، دیکھئے یہ خطاب درحقیقت کس سے ہوا۔

حملہ برخود میکنی اے سادہ مرد ہمچو آں شیرے کہ برخود حملہ کرد ②

غرض جو طبائع ایسی ہیں کہ ناصح مشفق کی بات ان کو بری معلوم ہوتی ہے وہ عیب ناصح کا نہیں ہے بلکہ اپنی طبیعت کا ہے ورنہ اصل میں طاعت میں خود کشش ہے کہ دل کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور اس سے قلب کو عجیب راحت پہنچتی ہے، ہاں سلامت فطرت شرط ہے اور معصیت اس کی ضد ہے کہ اس سے ضرور اذیت ہوتی ہے الا آنکہ حس ہی خراب ہوگئی ہو، سو یہ نادر ③ اور نادر کا اعتبار نہیں تو کلیۃً یہ دعویٰ محفوظ رہا کہ ہر معصیت ④ موجب تکلیف ہے اور ہر طاعت موجب راحت ہے۔

فقدان حلاوۃ

اور میں کہتا ہوں کہ جو شخص خدا کا قائل ہو اس کو تو کبھی معصیت میں لطف ہو نہیں سکتا بلکہ معصیت کر کے دوسری لذات بھی اس کی مکدر ہو جاویں گی کیونکہ اس کے

① ہیبت ناک ڈراؤنی شکل ② ''بے وقوف تو اپنے ہی اوپر حملہ کرتا ہے جیسا کہ اس شیر نے اپنے اوپر حملہ کیا تھا'' ③ قلیل ④ گناہ۔

دل میں خدا تعالیٰ سے ندامت وخجالت ① ضرور ہوگی جو کسی وقت اس کو چین نہ لینے دے گی۔ بس اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے ایک باورچی نے کھانا چرایا ہو تو اس کو یہ ہمت نہیں ہوسکتی کہ وہ کھانا مالک کے سامنے بیٹھ کر کھالے اور اگر چوری چھپے کھا بھی لے تو لذت اور حلاوت نہیں پاسکتا۔ معصیت میں اثر یہی ہے کہ لذت کو کھو دیتی ہے کیونکہ عاصی کا قلب ② بے فکر نہیں ہوتا، خواہ دنیوی ضرر کی فکر ہو خواہ اخروی ضرر کی اور بے فکری اصل ہے، حلاوت کی یہی وجہ ہے کہ دو پیسہ کا مزدور راحت پاتا ہے اور وہ نواب راحت نہیں پاسکتا جس کے پیچھے کوئی خطرہ غنیم کا ③ یا کسی جرم کا لگا ہوا ہو، وہ ٹکے کا مزدور اس نواب سے بڑھا ہوا ہے، جب معصیت میں بے فکری نہیں ہوسکتی تو حلاوت بھی نہیں ہو سکتی تو عاصی کی زندگی کا کوئی حصہ بھی اور کوئی شعبہ بھی با حلاوت نہیں ہوسکتا، خصوصاً جبکہ وہ خدا کا بھی قائل ہے اس کی تو یہ حالت ہوگی کہ معصیت کر رہے ہیں اور دل کو یہ خیال پریشان کر رہا ہے کہ حق تعالیٰ دیکھ رہے ہیں۔ گویا ڈاکہ ڈال رہے ہیں اور حاکم سامنے بیٹھا ہے تو کیا اس ڈاکہ میں بے فکری ہوگی، حاشا وکلا ہاں خدا کا انکار کر کے گناہ کیا جائے تو شاید کچھ لطف آئے کیونکہ اس کو یہ خطرہ نہ ہوگا لیکن اس عارض کے نہ ہونے سے اس معصیت میں جو ذاتی خاصیت ہے تکدر ④، وہ ہر حال میں لازم ہے۔

انسداد جرائم

غرض گناہ میں ہر طرح کی پریشانی ہے اور جتنی خرابیاں ہیں سب گناہوں کی بدولت ہیں اور جو اصل الاصول ہے تمام لذات کا یعنی چین اور راحت وہ گناہ کے ساتھ جمع نہیں ہوتی تو گناہ ہی سبب ہے پریشانی کا اور پریشانی اصل الاصول ہے تمام خرابیوں کی اگر گناہ نہ رہیں تو دینی ثمرات تو پیچھے ہوں گے دنیا میں بھی آسائش ہو جاوے۔ مثلاً چوری نہ رہے، غصب نہ رہے، قتل نہ رہے، غیبت اور طعن نہ رہے، حرص نہ رہے تو دنیا میں امن ہو جاوے چنانچہ بعض گناہوں کو جو قانون نے منع کر دیا ہے دیکھئے اس سے کیا کیا فائدے پہنچ رہے ہیں قتل اور چوری اور غصب کو مثلاً منع کیا ہے اور ان کی نگرانی کی جاتی ہے تو دیکھئے! کیسے کیسے فائدے ملک کو پہنچ رہے ہیں، تجارت کی ترقی ہے، صنعت

① شرمندگی ② گناہگار کا دل ③ دشمن ④ اداسی۔

کی ترقی ہے، یہ سب اسی کی بدولت ہے کہ جرائم کا انسداد کیا جاتا ہے اگر امن ذرا دیر کو اٹھ جاوے تو ابھی سب ترقیاں دھری رہ جاویں۔ چنانچہ بدامنی کے زمانے لوگوں نے دیکھے ہیں، یہ سب نتائج منع عن المعاصی ① کے ہیں۔

قانون وشریعت کا فرق

البتہ قانون میں اور شریعت میں اتنا فرق ہے کہ قانون کی نظر جہاں تک پہنچی وہاں تک اس نے جرائم کی فہرست کو ضبط کیا اور ان کا انسداد کر دیا لیکن وہ انسان ہی کی تو نظر ہے جو کہ ناتمام اور محدود ہے ② اور شریعت خدائے تعالیٰ کا مقرر کردہ قانون ہے اور خدائے تعالیٰ کی نظر محدود نہیں اس نے تمام جرائم کو منع فرمادیا، ایک فرق تو یہ ہے نیز ایک دوسرا فرق ہے کہ قانونی ممانعتوں میں اپنے اغراض بھی شامل ہیں اس لیے قانون میں انہی جرائم سے روکا گیا جو مصالح سلطنت کے خلاف تھے اور جو جرائم سلطنت کی مصالح کے خلاف نہ تھے۔ گو رعایا کی مصالح کے خلاف تھے، ان سے نہیں روکا جیسے نظر بد، غیبت، شکایت، حسد و کبر و عجب وغیرہ اور خدائے تعالیٰ کی نظر کامل اور بلاغرض ہے اس واسطے حق تعالیٰ کے قانون میں کچھ جرائم وہ بھی ملتے ہیں جو قانون میں نہیں ہیں۔ حق تعالیٰ نے کوئی جرم بھی ممانعت سے نہیں چھوڑا اور سب گناہوں سے منع کر دیا اور صرف جرائم ظاہری پر ہی بس نہیں کیا بلکہ باطنی گناہوں کو بھی بتایا اور ان سے منع فرمایا۔ خدا تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں کہ بعض جرائم کو کسی اپنی ضرورت یا ملکی غرض سے فہرست سے خارج فرمادیں یا بعض ان باتوں کو جو جرم نہیں ہیں ان ہی ضرورتوں سے جرم قرار دیں۔ قانون الٰہی وہ مکمل قانون ہے کہ اگر اس موافق عمل درآمد ہو تو دنیا سے بدامنی کی جڑ کٹ جاوے اور راحت ہی راحت ہو جاوے۔

تفسیرِ آیت

یہی تفسیر ہے اس آیت کی: وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ③

① گناہوں سے روکنے کے ہیں ② جو ناقص ہے اور ایک حد تک ہی دیکھ سکتی ہے ③ ”اور زمین پر اس کی اصلاح کے بعد فساد مت کرو اور اللہ تعالیٰ کو خوف اور امید سے پکارو، بے شک اللہ کی رحمت نیکو کاروں کے قریب ہے“ الاعراف: ۵۶

اس میں ایک امر ہے اور ایک نہی ① ۔ نہی ہے فساد فی الارض ② سے اور امر ہے طاعت کا۔ ادعوا مشتق ہے دعا سے اور دعا ایک فرد ہے طاعت کا۔ پس مراد طاعت ہے بعض خصوصیات کی وجہ سے ایک فرد کو یہاں ذکر کیا گیا جو اکمل افراد ہے۔ اس وقت ان خصوصیات سے بحث کرنا مقصود نہیں ہے۔ اصل مدعا یہ ہے کہ ان دونوں نہی اور امر میں ارتباط کیا ہے؟ جس کی وجہ سے دونوں یکجا لائے گئے۔ ظاہراً بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے کہ فساد سے منع کر کے فرماتے ہیں اور خدا کا نام لیا کرو (عبادت کیا کرو) سو ان میں جوڑ یہی ہے کہ ایک سبب ہے اور اصل دوسرا سبب اور فرع ہے یعنی عبادت سبب دراصل ہے عدم فساد کا اس لیے فساد سے منع کر کے عبادت و طاعت کا امر کیا گیا کہ فساد فی الارض سے بچنا چاہتے ہو تو طاعت کو اختیار کرو! پس اصل مقصود ادعوہ ہے یعنی عبادت اس کی کمی سے فساد پیدا ہوتا ہے اور اس کی ترقی سے انسداد فساد ③ یعنی اصلاح کو ترقی ہوتی ہے پس معصیت و فساد میں باہم تعلق ہے اور طاعت اور اصلاح میں باہم ارتباط اور ان دونوں کے تعلق میں کچھ وسائط نہیں ہیں، بہت کھلی ہوئی بات ہے۔

عبادت کی حقیقت

وہ یہ کہ عبادت صرف روزہ اور نماز ہی کا نام نہیں ہے عبادت جملہ نیک کاموں کو شامل ہے اس میں معاملات بھی داخل ہیں اور معاشرات بھی اور عادات بھی اور اخلاق بھی اگر یہ سب طریق پورے پورے ادا کیے جاویں یعنی اس طریق سے جس کی شریعت نے تعلیم کی ہے تو ان کا لازمی نتیجہ ہے کہ فساد نہ رہے اس لیے آگے وادعوہ سے بھی بڑھ کر ایک چیز لائے ہیں اور فرماتے ہیں: ''إِنَّ رَحْمَتَ ٱللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ ٱلْمُحْسِنِينَ'' یعنی رحمت اللہ تعالیٰ کی قریب ہے ان سے جو عبادت میں عمل احسان بھی اختیار کرتے ہیں احسان کے معنی وہی ہیں جو حدیث میں آئے ہیں کہ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ ④ یعنی خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر عبادت کرو جس کے لیے مختصر لفظ خلوص ہے تو مطلب یہ ہوا کہ نری عبادت پر بھی یہ وعدہ نہیں کہ رحمت قریب ہے بلکہ اس عبادت پر ہے جس

① ایک کام کا حکم اور ایک کی ممانعت ② زمین میں فساد مچانے کی ممانعت اور احکام الٰہی کی تعبداری کا حکم ہے ③ فساد ختم ہوتا ہے ④ صحیح للبخاری: ۶/ ۱۴۴، صحیح ابن خزیمہ: ۲۲۴۴، کنز العمال: ۵۲۴۹۔

میں خلوص محض ہو اب آپ انصاف سے دیکھیں! کہ اگر ایک جماعت ایسی ہو جو سب کے سب خلوص محض کے ساتھ شریعت کی تعلیم کے موافق عبادات کے اور عادات کے، معاملات کے، معاشرت کے، اخلاق کے پابند ہوں تو کیا ان میں کبھی فساد ہوگا یا کسی کو ان سے اذیت پہنچے گی، حاشا وکلا وہ فرشتہ صفت انسان ہوں گے اور کسی کو ان سے ناگواری تو کیسی وہ ہر دلعزیز ہوں گے۔ چنانچہ جو افراد اس کے مصداق ہوئے ہیں یعنی اہل اللہ ان کے حالات تو اریخ میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ان کا وجود دنیا میں کیسا تھا کیا ان سے کسی کو تکلیف پہنچتی تھی یا ان کا وجود باعث فساد تھا؟ نہیں بلکہ ان کا وجود باعث رحمت اور باعث رفع فساد ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے عالم کا عالم ان پر فدا ہوتا ہے اور ہر شخص کا قلب ان کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے۔ یہ بات ان میں کا ہے سے پیدا ہوئی اسی چیز سے جس کا نام عبادت یا طاعت ہے اس سے ثابت ہوا کہ طاعت کو رفع فساد میں ضرور دخل ہے اور فساد اسی کے نہ ہونے سے ہوتا ہے۔ یہ علاقہ ''ھو الا تفسدو'' (فساد نہ کرو) اور ''وادعوا'' (اور اسے پکارہ) میں کہ طاعت کو دخل ہے رفع فساد میں یہاں تک بیان ہوا گناہ کے دو اثروں کا۔ ایک کو میں نے لازم کہا تھا اور دوسرے کو متعدی اور یہ دونوں ظاہری اثر ہیں۔

مصائب اور معاصی میں ارتباط

ایک مخفی ① اثر ہے گناہ میں جس کی وجہ سے گناہ سبب ہے معصیت ② کا جس کے بعض عقلاء ممکن ہے کہ منکر ہوں مگر کسی کے انکار یا سمجھ میں نہ آنے سے یہ نہیں ہوسکتا کہ واقعی بات بیان نہ کی جاوے، جیسا ارشاد ہے: '' أَفَنَضْرِبُ عَنكُمُ ٱلذِّكْرَ صَفْحًا أَن كُنتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ '' ③ وہ یہ ہے کہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ جو کچھ بھی خرابی اور مصیبت دنیا میں ہوتی ہے وہ سب گناہ کی بدولت ہے ایک تو خرابی دنیا کی وہ ہے جو مسبب ہے اذیت سے اس کو تو میں نے قسم دوم میں بیان کر دیا ہے جسکو میں نے ضرر متعدی کہا تھا۔ اب میں اور زیادہ تعمیم ④ کرتا ہوں کہ قطع نظر ان مصائب سے جو اذیت سے مسبب ہیں جو بھی مصیبت ہو وہ گناہ ہی سے آتی ہے اور چونکہ ان دونوں میں یعنی گناہ اور دنیا کے مصائب میں کوئی علاقہ ⑤ ظاہراً سمجھ میں نہیں آتا۔ اسی وجہ سے میں نے یہ بھی کہا ہے کہ ممکن ہے بعض عقلاء اس کے منکر

① پوشیدہ ② گناہ کا ③ ''کیا ہم تم سے اس نصیحت (نامہ) کو اس بات پر ہٹالیں گے کہ تم حد (اطاعت) سے گزرنے والے ہے'' سورۂ زخرف: ۵ ④ کھول کر بیان کرتا ہوں ⑤ تعلق۔

بھی ہوں مگر میرے بیان سے عنقریب سمجھ میں آجاوے گا کہ دونوں میں کیا علاقہ ہے اور وہ علاقہ بہت ہی ظاہر ہے مگر ہماری عادت غور کرنے کی نہیں رہی ہے اس وجہ سے یہ نوبت آگئی کہ یہ بات نئی سی معلوم ہوتی ہے کہ نافرمانیوں سے مصائب آتے ہیں اب اس کو بیان کرتا ہوں۔ دیکھئے! یہ تو ثابت ہے کہ گناہ کو حق تعالیٰ نے منع کیا ہے اس کے تو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ کوئی شخص اس کا منکر نہیں ہے اور جب حق تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے تو اس کا ارتکاب موجب ناراضی ہے یہ مقدمہ بھی بداھتہ ① ثابت ہے اب ایک مقدمہ اور رہ گیا۔ سو اس کے ثابت کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہ ہوگی صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ سب مقدمات کو ملا کر نتیجہ نکال لیا جاوے وہ مقدمہ یہ ہے کہ جب اپنے سے کسی بڑے کو ناراض کیا جاتا ہے تو اس پر سزا تجویز ہوتی ہے۔ ان تینوں مقدموں کو ملا کر اس طرح پر نتیجہ کیوں نہیں نکالا جاتا کہ گناہ کو حق تعالیٰ نے منع کیا ہے اور ممنوع کا ارتکاب باعث ناراضی ہے ② اور ناراضی کا نتیجہ سزا ہے تو گناہ پر بھی سزا ہونی چاہیے۔ یہ نتیجہ دنیا کے کاموں میں سب نکال لیتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں مثلاً چوری کو مانا جاتا ہے کہ یہ فعل ممنوع اور باعث ناراضی حکام ہوتا ہے اور ناراضی موجب سزا ہے۔ لہٰذا چور کو سزا ہوگی۔ دین کے کاموں میں کیوں ان مقدمات کی ترتیب نہیں کی جاتی اور یہی نتیجہ کیوں نہیں نکالا جاتا؟ اب علاقہ مصائب اور معاصی میں سمجھ میں آگیا ہوگا۔ پس عقلاً اور عرفاً یہ بات کچھ بعید نہیں رہی کہ گناہ پر سزا ہو اور مصیبتیں نازل کی جاویں۔ غرض امکان اسکا ثابت ہوگیا کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ گناہ کی پاداش میں مصائب بھیجے جاویں۔ پھر شریعت نے اس کی خبر دی ہے کہ ایسا واقع بھی ہوتا ہے۔ تو اب اس میں کیا استبعاد ③ رہا؟ اور اس کے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔

نتائج معاصی

شریعت میں اس پر نصوص موجود ہیں۔ مثال ''وَمَآ أَصَٰبَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ أَيۡدِيكُمۡ ''④ اور ''ظَهَرَ ٱلۡفَسَادُ فِي ٱلۡبَرِّ وَٱلۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ أَيۡدِي ٱلنَّاسِ ''⑤ اور ''قُلۡ سِيرُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ ثُمَّ ٱنظُرُواْ كَيۡفَ

① صراحتاً ② جس چیز سے منع کیا جائے اس کو کرنا ناراضگی کا باعث ہوتا ہے ③ سمجھ سے بالاتر ④ ''اور تم پر جو مصیبت نازل ہوتی ہے وہ تمہارے اعمال بد کے سبب آتی ہے'' الشوریٰ: ۳۰ ⑤ ''خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال (بد) کے سبب فساد پھیل گیا'' الروم: ۴۱

كَانَ عَـٰقِبَةُ ٱلْمُكَذِّبِينَ ''① اس اخیر کی آیت کا حاصل یہ ہے کہ مکذبین پر جو بلائیں آئیں ہلاک ہوئے اور ہوا سے اڑا دیئے گئے یا زمین الٹ دی گئی یا غرق ہوئے یہ سب تکذیب کی پاداش میں ہوا یہ مصائب گناہ کی بدولت نازل ہوئے ان سب نصوص سے مطلق مصیبت کا معاصی پر متفرع ہونا ثابت ہوا اور بعض نصوص میں خاص معاصی پر خاص انواع مصیبت کے مرتب ہونے کی بھی تصریح ہے۔ مثلاً طاعون کو بالتصریح فرمایا گیا ہے کہ زنا سے آتا ہے۔ تو یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی کہ بلا نافرمانی سے آتی ہے۔ قحط، وباء، ہیضہ، گرانی، جنگ سلاطین، یہ سب نتائج ہیں معاصی کے۔

نئی تحقیق کا جواب

اور یہ سب مثالی صورتیں ہیں گناہوں کی، ہمارے گناہ ان بلاؤں کے لباس میں ظاہر ہوتے ہیں۔

شامتِ اعمال ماصورت نادر گرفت②

اس پر قبل تامل③ یہ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ طاعون کا سبب تو کیڑے ہیں جیسا کہ آج کل کی تحقیق سے ثابت ہے۔ گویا مشاہدہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر طاعون کا سبب معاصی ہیں تو نیک لوگ اس میں کیوں مرتے ہیں۔ یہ دو شبہ ہیں اور آج کل ہمارے بھائی ان شبہوں میں بکثرت مبتلا ہیں مگر علماء سے تحقیق کرنے کا اور شک رفع کرنے کا خیال ہی کسی کو نہیں ہوتا۔ دیکھئے جراثیم کو طاعونی مریض کے جسم میں پا کر گمان کرلیا گیا کہ یہی سبب ہیں طاعون کے۔ یہ صرف ایک قرینہ ہے ان کی سببیت کا اگر اس قرینہ پر ایسا یقینی حکم کیا جاسکتا ہے کہ نصوص شرعیہ کی طرف سے بھی اعتقاد میں کمی آجائے تو میں ایک قرینہ جانب مخالف کا پیش کرتا ہوں۔ اس سے حکم اس کے خلاف کا یقینی طور پر کیوں نہیں کیا جاتا۔

ایک کی بیماری دوسرے کو نہ لگنے کے دلائل

وہ یہ ہے کہ اگر جراثیم سبب ہیں طاعون کے اور وہ کیڑے ایک سے دوسرے

① آپ فرمادیجئے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا'' سورۂ انعام: ۱۱
② ''ہم اس بداعمالی کی بناء پر نادر جیسے ظالم حاکم کے ظلم میں مبتلا ہو گئے'' ③ بلا سوچے سمجھے یہ شبہ کیا جاسکتا ہے۔

میں پہنچتے ہیں اور اس طرح دور دور تک یہ بلا پھیل جاتی ہے یا جو لوگ جراثیم کے قائل نہیں اور طاعون کو ویسے متعدی مانتے ہیں تو ان دونوں سے پوچھا جاتا ہے کہ اس کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے کہ جب طاعون پھیلے تو سب ہی مرجائیں کوئی ایک بھی کیوں بچتا ہے یا سب نہیں تو آدھے سے زیادہ تو مرنے ہی چاہئیں تا کہ للا کثر حکم الکل ① ہی کی بناء پر سببیت اور تعدیہ کا حکم کیا جاسکے یا کم از کم طاعونی مریض کے تیمارداروں کو سبھی کو مرجانا چاہیے۔ خصوصا جو ہر وقت پاس رہتے ہوں کیونکہ مریض کے جراثیم اور بھی کہیں نہ جائیں تو تیماردار پر تو ضرور ہی جائیں گے مگر تجربہ اس کے خلاف ہے جہاں سولہ ہزار کی مردم شماری تھی ایک ہزار مرے حالانکہ ہونا چاہیے تھا اس کا عکس کہ ایک ہزار بچتے اور پندرہ ہزار مرجاتے اور مریض طاعون کے تیماردار تو سب ہی مرجاتے جراثیم کا یا تعدیہ کا اثر سب میں اور کم از کم سب تیمارداروں میں کیوں نہیں ہوتا ؟ اب اگر للا کثر حکم الکل کو جاری کیا جائے تو یہ حکم لگانا چاہیے کہ جراثیم سبب طاعون نہیں اور نہ تعدیہ سبب ہے۔ اس پر شاید کوئی یوں کہے کہ سولہ ہزار کی آبادی پر یہ حکم لگانا صحیح نہیں کیونکہ سب اشخاص مماس ② نہیں ہوتے۔ جہاں ایک کو دوسرے سے مس ③ ہو وہاں جراثیم پہنچ جاتے ہیں اور تعدیہ بھی ہوتا ہے تو میں کہتا ہوں یہ بھی غلط ہے کیونکہ میں اس کے خلاف بھی مشاہدہ کرتا ہوں ایک حکیم امیر احمد نام ہمارے دوستوں میں ہیں دیندار آدمی ہیں ان کا بیان ہے کہ انہوں نے زمانہ وبا میں تریسٹھ طاعونی مریضوں کا علاج کیا اور اس طرح سے کہ بار باران کی نبض دیکھنا اور خود اپنے سہارے لگا کر دوا پلانا غرض ان کے ساتھ خوب خلا ④ ملا کر رکھا مگر ان کا کان بھی گرم نہ ہوا۔ بتلایئے وہ باوجود شدت تماس والتصاق ⑤ کے جراثیم کہاں گئے اور تعدیہ کا اثر کیا ہوا؟ اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں جراثیم کا منکر ہوں ممکن ہے کہ جراثیم ہوں اور ان سے طاعون پیدا بھی ہوتا ہو مگر اس پر ایسا اعتقاد نہیں کیا جاسکتا جس سے نصوص شرعیہ کی مزاحمت کی جاوے۔ اس کی توضیح کے لیے ان خیالات کی نفی کے قرائن اور دلائل میں نے ایسے پیش کر دیئے جن سے وہ

① اکثر پر کل کا حکم لگایا جائے ② ایک دوسرے کو چھوتے ہیں ③ جب ایک دوسرے کو چھوتا ہے جراثیم منتقل ہوجاتے ہیں ④ میل جول ⑤ بار بار چھونے اور ملنے کے باوجود جراثیم کیوں نہ لگے۔

خیالات ظن کے مرتبہ میں بھی نہیں رہتے بلکہ مرجوح ہو جاتے ہیں پھر ان سے مزاحمت نصوص کی کیسے کی جاسکتی ہے اول تو ان جراثیم کا وجود یا اثر ہی محتاج اثبات ہے اور اس کے ثابت ہونے کے بعد بھی ہم پوچھتے ہیں کہ وہ قدیم ہیں یا حادث اور بندہ ہیں یا خدا یہاں آ کر سب کو قائل ہونا پڑے گا اور اس کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔

شعور فی الجہاد①

بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ حادث اور بندے ہیں اور خدا کے مسخر ہیں تو وہاں کا تو یہ قانون ہے۔

نبارد ہو تانگوئی ببار نیارو زمین تانگوئی بیار②

یعنی کوئی چیز بھی بلا حکم خدا کے کچھ نہیں کر سکتی۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ایک حکایت کے ضمن میں وہ حکایت یہودیوں کی ہے کہ انہوں نے اہل ایمان کو آگ میں ڈالا مگر وہ نہ جلے تو بادشاہ نے غصہ میں آ کر آگ سے خطاب کیا کہ تجھے کیا ہوا تو آگ نہیں رہی آگ نے جواب دیا۔

گفت آتش من ھمانم ای شمن اندر آتا تو بینی تاب من
طبع من دیگر نگشت و عنصرم تیغ حقم ھم بدستوری برم③

آگے مولانا فرماتے ہیں:

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند با من و تو مردہ باحق زندہ اند④

یہ ایسا مسئلہ ہے کہ جمہور عقلاء بھی اس کے قائل ہوئے ہیں۔ بعض عقلاء تو شعور فی الجماد تک کے قائل ہوئے ہیں اور کہتے ہیں پتھروں میں بھی کچھ سمجھ ہے انسان کی سی نہ سہی اور نباتات میں تو شعور ہونے کے آج کل تقریباً سب قائل ہوتے جاتے ہیں۔ حق یہی ہے کہ ہر چیز اپنے مالک کے احکام کو پہچانتی ہے۔ ہاں بعضے حواس بعض چیزوں

① جمادات میں احساس ② اللہ کے حکم کے بغیر نہ ہوا چل سکتی ہے نہ زمین ہل سکتی ہے ③ ''آگ نے کہا کہ میں آگ ہی ہوں آپ تشریف لائیے تاکہ میری تیزی حرارت کو دیکھوں۔ نہ میری خاصیت میں فرق پڑا اور نہ میرے عنصر میں تغیر آیا میں آگ ہوں اور جلانا بدستور میرا کام ہے'' ④ ہوا، مٹی پانی اور آگ (سب اللہ کے) غلام ہیں، تمہارے اور میرے نزدیک مردہ ہیں لیکن اللہ کے نزدیک زندہ ہیں''۔

میں نہیں ہیں، مثلاً امرود میں حِس لمس ① نہیں ہے اور امرود کو کھائے جانے کی تکلیف نہیں ہوتی تو اس سے مطلقاً غیر ذی حس ② اور بے جان ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ خود ہمارے بدن میں بعض اعضاء ایسے موجود ہیں جن کو حس لمس نہیں مثلاً بال غیر ذی حس ہے مگر حق تعالیٰ کی معرفت فطری ہے ممکن ہے کہ وہ ہر چیز کو حاصل ہو اور امرود کو بھی حاصل ہو اور اکل کا الم نہ ③ ہو۔ اور اگر یہ بھی کہا جائے کہ الم بھی ہوتا ہے جب بھی کوئی اشکال نہیں۔ اس کو الم حق تعالیٰ نے دیا اور ہم کو حکم کھانے کا کیا ہم حکم سے کھاتے ہیں جیسے گائے کو ذبح کی تکلیف ہوتی ہے مگر ہم کو حق تعالیٰ نے کھانے کی اجازت دی ہے اس لیے ہم کھاتے ہیں۔ غرض یہ بات بدلیل ثابت ہے کہ کوئی چیز بلا اذن خالق جل شانہ کے اثر نہیں کرسکتی تو جراثیم بھی اگر کسی کے بدن میں تعدیہ کا اثر کرسکتے ہیں تو حکم ہی سے کرسکتے ہیں یہ تو تحقیق ہوئی اصل مسئلہ کی۔

اسباب کی اقسام

اب مزید تقریب الی الفہم ④ کے لیے کہتا ہوں کہ اسباب دو قسم کے ہوتے ہیں قریب اور بعید اور دونوں کی طرف مسبب کی نسبت ہوتی ہے۔ مثلاً پھانسی ایک فعل ہے اس کے سبب ظاہر میں کئی ہو سکتے ہیں مگر ایک ایسے شخص سے جو عالم ہو خواص افعال کا، اس سے اگر سوال کریں کہ اس شخص کی موت کیوں ہوئی تو وہ جواب دے گا کہ اس کا سبب حقیقی ڈکیتی ہے سو اس شخص کی نظر اصلی سبب پر ہے اور اگر سائنس والوں سے جو محض خواص اشیاء سے واقف ہیں بھی سوال کیا جاوے تو ان کا جواب یہ ہوگا کہ رسی کا پھندا سبب حقیقی ہے موت کا۔ میں پوچھتا ہوں کہ دونوں میں سے صحیح جواب کس کا ہے۔ غالب سب یہی کہیں گے کہ پہلا جواب صحیح ہے حالانکہ اس جواب کے کئی وسائط ⑤ بیچ میں ماننے پڑتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس نے اول ڈکیتی کی اس میں خون کیا، پھر گرفتار ہوا اس کے بعد چالان ہوا پھر مقدمہ ثابت ہوا، پھر پھانسی کا حکم دیا گیا اور طریقہ اس کا یہ استعمال میں آیا کہ گلے میں رسی کا پھندا ڈالا گیا۔ پس اس سلسلہ میں سبب قریب واقعی رسی کا پھندا ہے اور سائنس والے کی نظر اسی تک گئی، سبب بعید تک نہیں گئی اس لیے اس نے اس کو سبب کہہ دیا لیکن اس عالم کی نظر سبب بعید تک گئی

① چھونے کا احساس ② بے حس ③ کھائے جانے۔ ④ سمجھانے کے لیے ⑤ کئی واسطے۔

وہ سب کو بیچ میں سے اڑا کر اس سبب کی طرف جو درحقیقت سبب ہے موت کی نسبت کرتا ہے اور ان تمام وسائط کو بھی اسی کی طرف راجع ① کرتا ہے۔ اب دیکھئے! ہر شخص اس کی تحقیق کو پسند کرتا ہے اور سائنس والے کو کوتاہ نظر بناتا ہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے بہت کھالیا جس سے ہیضہ ہو گیا اور موت کی نوبت آ گئی تو اب کہا جاتا ہے کہ بہت کھانا کھالیا تھا اس وجہ سے مر گیا تو کیا محض اس وجہ سے کہ سبب قریب تو ہیضہ ہے اور کھانا تو سبب السبب ہے یہ کہنا غلط ہوگا اور کھانے کی طرف موت کی نسبت صحیح نہ ہوگی لیکن پھر بھی کہتا ہر شخص یہی ہے کہ کھانے سے مر گیا۔ معلوم ہوا کہ صحیح مذاق یہی ہے کہ سبب اصلی کی طرف نسبت کی جاوے گو بعید ہو کیونکہ بیچ کے اور اسباب بھی اسی پر مبنی ہیں اگر وہ سبب اصلی نہ ہوتا تو ان وسائط کا وجود بھی نہ ہوتا اور اثر بھی نہ ہوتا اور سبب قریب کی طرف کرنا قصور نظر ہے۔ اسی طرح طاعون کے بھی دو سبب ہیں ایک سبب بعید ناراضی حق ② اور دوسرا سبب قریب یعنی جراثیم بھی ہرگز پیدا نہ ہوتے اور اہل سائنس کی نظر سبب بعید پر ہے جو کہ اصلی سبب ہے اگر وہ نہ ہوتا تو جراثیم بھی ہرگز پیدا نہ ہوتے اور اہل سائنس کی نظر سبب قریب پر ہے تو ان کا جراثیم کو طاعون کا سبب کہنا ایسا ہی ہے جیسا موت کا سبب پھانسی کی رسی کے پھندے کو کہا جاوے مگر کون نہیں جانتا کہ یہ قصور نظر ہے ③۔ واللہ یہ ناتمام علم ایسا مضر ہے کہ اس سے جہل مرکب پیدا ہوتا ہے جو لاعلاج مرض ہے۔ دیکھئے! آج کل کے سائنس دان اس پر کس قدر اشکال کرتے ہیں کہ گناہوں کو سبب مصائب کا بتایا جاتا ہے لیکن یہ مسئلہ کس قدر صاف ہے کہ سبب کبھی قریب ہوتا ہے اور کبھی بعید اور نسبت دونوں کی طرف ہوتی ہے اور دونوں نسبتوں میں سے صحیح سبب بعید کی طرف نسبت ہے جب وہ اصلی ہو چنانچہ اس لیے یہ کہنا صحیح ہوا کہ پھانسی اس واسطے ہوئی کہ ڈاکہ ڈالا تھا اسی کو سب پسند کرتے ہیں نہ اس کو کہ پھانسی اس واسطے ہوئی کہ گلے میں رسی کا پھندا تھا، سائنس کی تحقیقات سے ہم کو انکار نہیں۔ پس جیسے ہم یہ نہیں کہتے کہ پھانسی والے کے گلے میں رسی کا پھندا نہ تھا بلکہ اس کو بھی تسلیم کرتے ہیں مگر ایک سبب بعید اور بھی مانتے ہیں جو راس الاسباب اور سبب الاسباب ④ ہے یعنی ڈاکہ۔ اسی

① لوٹاتا ہے ② اللہ کی ناراضگی ③ کوتاہ نظری ④ جو اصل سبب اور اسب اسباب کا سبب ہے۔

طرح رسی کے پھندے کے قائل ہونے والے کو راس الاسباب ہے یعنی ڈاکہ کے سبب ہونے سے بھی انکار کا کوئی حق نہیں۔ اسی طرح اگر سائنس کی یہ تحقیق ہے کہ طاعون کے کیڑے ہوتے ہیں اور وہ سب سبب ہیں طاعون کے تو ہم اس کے منکر نہیں اور یہ نہیں کہتے کہ کیڑوں کا وجود نہیں، کیڑے ہوں مگر ان کے اوپر ایک سبب جو راس الاسباب ہے اور بھی ہو اور وہ گناہ ہے۔

طاعون سے بچاؤ کا صحیح طریقہ

سائنس دان کو بھی اس سے انکار کا کوئی حق نہیں ہے اور جو آج کل کے لوگ انکار کر بیٹھتے ہیں اس کی وجہ قصور علم ہے۔ اس تقریر کے بعد کوئی صاحب بتائیں کہ کیونکر ان کو اس شرعی تحقیق سے انکار کا حق حاصل ہے۔ درحقیقت شریعت اور سائنس میں تخالف ہی نہیں یہ نا تمام سائنس کے نتائج ہیں کہ ایسی موٹی موٹی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ شرعی تحقیق یہی تو ہے کہ معاصی سبب ہیں طاعون کے، سو سائنس کی اس میں کوئی مخالفت نہیں، گناہ کرنے سے حق تعالیٰ ناراض ہوئے اور جراثیم کو پیدا کر دیا اور آدمی ہلاک ہو گیا۔ گویا جراثیم سرکاری فوج ہیں، فوج گولہ باری سرکار کے حکم سے کرتی ہے تو اگر کہیں گولہ باری ہونے لگے تو وہاں نسبت فوج کی طرف ہوگی یا سلطان کی طرف اور آیا علاج یہ ہوگا کہ فوج کا مقابلہ کیا جاوے یا یہ ہوگا کہ سلطان سے چارہ جوئی کی جاوے۔ ظاہر ہے کہ نسبت کسی معنی میں فوج کی طرف بھی صحیح ہوگی مگر فہیم آدمی یہی کہے گا کہ بادشاہ نے فلاں جگہ پر گولہ باری کی یہ کوئی نہیں کہتا کہ اصل میں فوج نے کی اور فوج سے اگر مقابلہ کیا گیا تو نتیجہ کچھ بھی نہیں کیونکہ اگر مقابلہ میں کسی نے ہمت کی بھی کہ فوج پر غالب آ گیا اور سب کو تہ تیغ کر دیا تو کیا ہوگا، بادشاہ کے پاس فوج کی کمی نہیں۔ دوسری فوج اسی قسم کی یا اور کسی قسم کی آجاوے گی برخلاف اس کے اگر یوں کیا جاوے کہ جیسے ہی گولہ باری شروع ہو سلطان کی خوشامد درآمد کی جاوے اور معافی چاہی جاوے یا صلح کر لی جاوے تو نتیجہ اچھا برآمد ہوگا۔ یہی فوج گولہ باری بند کر کے چلتی ہو جاوے گی اور دوسری بھی نہ آوے گی اور بادشاہ کی رضا جوئی کے ساتھ عقلاً اتنی بھی اجازت ہے کہ گولہ باری کی زد سے بچنے کے لیے کسی محفوظ و مستحکم مکان میں یا تہہ خانے میں گھس جاؤ مگر ہر

حال فوج کا مقابلہ نہ کرو کیونکہ یہ بے سود ہے بلکہ زیادہ اہتمام سلطان سے معافی چاہنے کا کرو یہ ہے صحیح طریقہ جو شریعت کی تعلیم ہے اور علاج معالجہ کی بھی اجازت اور اس کے حدود اس بیان سے نکل آئے کہ بطور تسکین قلب علاج کی بھی اجازت ہے بلکہ سنت ہے کیونکہ دنیا عالم اسباب ہے یہ وہ حد ہے جس کو میں نے مکان میں گھس جانا اور گولہ سے بچنا کہا ہے اور علاج پر اتنا بھروسہ کر لیا جس سے اصلی تدبیر یعنی طلب عفو عن السلطان ① سے غفلت ہو جاوے بلکہ اسی ضرورت ہی سے انکار ہو جاوے، مذموم ہے ② اور یہ وہ ہے جس کو فوج کا مقابلہ کہا گیا کہ ہرگز کارآمد نہیں، فوج کے پیچھے دوسری فوج اور اس کے پیچھے تیسری اور چوتھی فوج ہے، طاعونی کیڑوں کو ہلاک کر دو گے، بخار کے کیڑے پیدا ہو جاویں گے، ان کو ہلاک کر دو گے تو ہیضہ کے کیڑے پیدا ہو جاویں گے، حاکم اور احکم الحاکمین سے کہاں تک جیتو گے؟ یہ تحقیق ہوئی معاصی کے سبب بلیات ہونے کی۔

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہو رہی ہے (حقیقت مصیبت)۔

---

① بادشاہ سے معافی مانگنے سے غافل ہونا (۲) برا ہے

اخبار الجامعۃ

ماہ مئی/ جون 2024ء

اسفار

حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی (مہتمم جامعہ ہٰذا)

❁ **22 مئی:** حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ادارۃ معارف القرآن شاہدرہ لاہور کے افتتاح کے موقع پر دعائیہ کلمات سے نوازا اور مسجد کی تعمیر کے لیے مناسب جگہ کا انتخاب فرمایا۔

❁ **یکم جون:** حضرت مہتمم صاحب (مدظلہ) بروز ہفتہ مدرسہ جامعہ اسلامیہ اشاعت القرآن جنڈالی ضلع پونچھ آزاد کشمیر میں فضلائے روایتِ حفصؒ کی دستار فضیلت و تقسیم اسناد کے پروگرام میں بطور مہمان خصوصی شرکت فرمائی۔

❁ **2 جون:** بروز اتوار صبح 9 بجے جامعہ دارالعلوم تعلیم القرآن باغ آزاد کشمیر محفل حسن قراءت میں بطور مہمان خصوصی شرکت فرمائی اور بعد نماز ظہر دارالعلوم فیض القرآن ''بیس بگلہ'' میں بھی محفل حسن قراءت میں شرکت فرمائی اور نماز مغرب کے بعد جامعہ انوار العلوم دھیر کوٹ میں تلاوت کے بعد خصوصی بیان فرمایا۔

❁ **12 جون:** حضرت مہتمم صاحب کے زیرِ صدارت مجلسِ عاملہ کا اجلاس ہوا۔

❁ **13 جون:** جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ میں حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب مدظلہ (مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، لاہور) کی زیرِ سرپرستی مجلسِ شوریٰ کا سالانہ اجلاس ہوا۔

❁ جامعہ میں عید الاضحیٰ وموسم گرما کی تعطیلات 15 جون تا 28 جون 2024ء رہیں گی۔

تحقیقی کام

❁ ترکی سے طبع قرآن کریم بنام ''**مصحف الاُمّۃ**'' پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ قرآنِ کریم کے رسمِ عثمانی، علاماتِ وقف، آیات کے شمار اور حرکات وسکنات کے حوالہ سے علمی و تحقیقی نظر فرما رہے ہیں۔

✦❂✦❂✦